

میشوایر رسول یا قی من بعدی اسمہ الحسنہ

میلاد الرسول

سید
محمد
ص
علیہ
السلام

مصنفہ

خواجہ اسحاق کاشانی صاحب المیزان القندی فی تفسیر قرآن مجید



جلالہ و اعزازہ سید محمد سعید رسول صاحب المیزان

ناشری۔ مرکزی مجلس مطبعہ دہلی لاہور

سہروردی بھائیوں سے خطاب

اور اپنے اہل خانہ کی تعلیم و تربیت کے لئے نیز تبرک اپنے گھر
کے اور اپنے دوست احباب میں بھی اس کی زیادہ سے زیادہ اشت

والد بزرگوار مانتاب سہروردیہ سجادہ سید ابوالشاہد
 محمد قیصر احمد سہروردی سجادہ نشین اول مرکزی مجلس سہروردی
 دینی حیات مبارکہ میں حضرت امیر المومنین کی چند ایک غیر دستیاب تصانیف
 کو پورا جمع سے آراستہ کروایا، مگر اپنی عدالت طبع اور گونا گوں مصروفیات
 کے سبب اس سالی کو زیادہ دیر جاری نہ رکھ سکے، چنانچہ ۶ اگست ۱۹۸۲ء
 کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بعد سجادہ نشینی کے لئے بزرگانِ سلسلہ
 سہروردیہ کی نگاہ انتخاب اس فقیر و ناتواں پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی تائید
 و مدد داریاں اس فقیر کو تفویض کر دی گئیں، چنانچہ فقیر اپنی کم ناگی کے باعث
 اس ذمہ داری کو لے کر آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

مرکزی مجلس بہروردیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جدا جدا حضرت امام المسلمین الحاج میرزا ابوالفیض قلندر علی بہروردیؒ کی مختلف تصانیف کو از سر نو چھپوا کر علم کے اس غظیم خزانے کو مائتہ المسلمین بالخصوص سلسلہ بہروردیہ کے متوسلین تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا۔ کمیز کو مسلمانانہ عالم جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس میں ایک طرف الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں اور دوسری طرف انسانی درو عایت پر طرح طرح کے حملے کئے جا رہے ہیں، ایمان و عقیدے کی پختگی اور خدا شناسی کی صلاحیت کم سے کم متروک جا رہی ہے اس دینی انحطاط کا سبب یہ ہے کہ مسلمان دینِ قیم کی صحیح تعلیمات سے تنہی دامن ہو گئے ہیں، لہذا سزوری ہے کہ صحیح معنوں میں کتاب و سنت اور برزگانِ متقدمین کی پیروی کر کے کامیابی و سعادت کی راہ اختیار کی جائے، اس مقصد کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمۃ کے کتابچہ ”میلا و الرسول“ کو طبع کر دیا گیا جا رہا ہے، امید ہے کہ تبلیغِ اشاعتِ دین کی اس مساعی میں پوری طرح تعاون کیا جائے گا اور سزوری

ضروری گذارش

مسئلہ بیاد شریف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر کہنے والوں نے کچھ کہا اور
کے والوں نے لکھا۔ اہل ایمان کے لئے اس سے ہزار گنا لکھنا اور کہنا باقی رہتا ہے سب کچھ حضور
علیہ السلام کے جمال ظاہری و کمال باطنی پر کچھ بیان کرنے کے لئے اگر ساری دنیا بھی متفقہ
اور سہماں کرنا شروع کر دے۔ اور فی معین مدت تک حضور کی کمالیت پر ظہار عقیدت
و ایمان کرتی رہے تو وہ اوصاف حضور علیہ السلام سے ایک شہد یا آپ کے محاسن و فضائل
کے سات سندروں سے ایک قطرہ ہوگا کیونکہ اس سے کما حقہ عہدہ ہر مونا طاقت بشری
خارج ہے۔ بنا پر یہیں یہ چند اور افق بھی جو اپنی بے باغی و پیچیدہ دانی کے ماتحت ہدیہ تبارکین
کے جبار ہے ہیں اس یوسف کو لگا کے حسن کے پناہ کی ٹہریاں ہیں ایک موت کی آبی کی
جہیزیت میں ہی پسینے کے جبار ہے ہیں۔ اور غرض یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے کمالات
ظاہری و باطنی کا تصور دلایا جاتے ہیں کہ پڑھنے اور سمجھنے سے پیشتر مندرجہ ذیل امور کی
مدد ملنی حاصل کر لینا بڑا ضروری ہے تاکہ اصل مقصد کے حصول میں مغالطہ نہ ہو۔

(۱) مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے کہ مولد کریم جل و علا شانہ نے کمال خلق کی طرح کمال خلقت
میں بھی کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں فرمایا اور نہ فرمائے گا۔ علامہ ومیری نے کیا
عجب لکھا ہے۔ لَمْ يَخْلُقِ الْكَافِرِينَ وَشَلَّ مَحْتَبًا
أَبَدًا وَقَوْلُهُ أَقْبَلُ لَا يَخْلُقُ

یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل بھی پیدا نہیں فرمایا۔ اور مجھے علم ہے
کہ یہ پیدا فرمائے گا۔

دیکھتے کی توجہ اور کس میں اور کس کو سوچا کہ بے متخی خیل ہے کسی بات میں بھی ممانعت ممکن
نہیں، اور امکان نظیر قطعاً محال ہے۔

(۲) جن بزرگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باطنی و لصال ظاہری کا کچھ
انہوں نے اگرچہ حضور علیہ السلام کے نہ نمل و شرف کے بیان میں حسب طاقت بشری

زیور طبع سے آراستہ کر دیا کہ اجاب علم و شوق تک پہنچانے کی
سعی میں مشغول ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

صاحبزادہ سید محمد شاہد رسول سہروردی
سجادہ نشین و صدر مرکزی مجلس سہروردیہ

لاہور ۱۰ اگست ۱۹۸۶

دین و دنیا کا قوام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک ایسے شہر اور ایسی فصاحتیں آباد تھے۔ جہاں ہر طرف بادہ فوجی اور جوئے کا زور تھا۔ شاہد پرستی کا سیلاب اُٹا ہوا اور جنگ و جدال کی گھٹاؤں مسئلہ خفیس بہت پرستی اور بداخلاقی کی گندہوں نے خدا کی مخلوق کو مخلوق کا بندہ بنا کر رکھا تھا۔ اللہ کے سامنے جھکنے والے سر بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھے جس و شوق اور مجبور و فنی کا بازار گرم تھا۔ دیکھو! ان میں نہ اصول نہ تہذیب نہ تمدن۔ ظلم نہ مذہب جیسے ان کے بیت سے پیدا ہوئے ویسے کے ویسے ہی آجکل تھے۔ بے حیائی و بے غیرتی۔ بد اخلاقی و بد اطاعتی۔ بد فہمی و زنا شوق۔ بوطاعت و میخواری۔ شہیت و چوگونی۔ قمار بازی و ڈاکہ زنی۔ ان کے قابل فخر اعمال تھے۔ سب داعی اور سب رہباز۔ زیر دستوں پر زبردستوں کے دستان ظلم ہمیشہ تیز رہتے تھے۔ غریب کیماء فرعون اور سیاہ کاروں کی وہ دنیا تھی جس میں کمزوروں اور غفلتوں کی کوئی فریاد نہ تھی۔ اور یہ ایک عرب ہی کیا دنیا بھر انہی امر میں مبتلا تھی۔

اس وقت جہاں کہیں دنیا میں یہودیت۔ عیسائیت۔ مجوسیت۔ بدھ مت۔ ہندو و صرم اور کئی دوسرے مذہب موجود تھے۔ ان کی حیثیت بھی ایک نام نہاد اور مسخ شدہ حقیقت سے زیادہ تھی۔ انھوں نے اپنے پیروؤں اور فائدوں کی خدائی یہاں تک تسلیم کر رکھی تھی کہ فرعونیت و مرویت کو اس کی اساس کہہ دینا بے جا نہ لگتا۔

مذکورہ بالا مذہب کے علاوہ عرب میں دین ابراہیمی بھی دین کے نام سے مشہور تھا جس کی بنیاد خاص توحید پر تھی۔ لیکن مرد زمانہ سے اس کی حالت بھی ایسی تھی کہ جو کچھ تھی۔ کہ سامنے ابراہیمی بھی بہت پرست لگاتے تھے۔ غیبت اللہ کی است بتوں کے سامنے بہت رقص کرتی اور ان سے حاجتیں طلب کرتی دکھائی دیتی تھی۔ اور ان میں سے جو محدثیت پرستی کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ وہ رہبانیت کے علمبردار ہو جاتے تھے۔ اور اسی طریق پر زندگی گزارا کرتے ابراہیمی کا صحیح عمل اور اسی صحیح فہمی کی عبارت جو ترک لذت پر مبنی ہوئی پرستش ایزدی خیال کرتے۔ جس کی اسلام نے نہایت موزوں پہلی میں ترمیم فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔

انسانی فصاحت و بلاغت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جس پر وہ پہنچ سکے ہیں بھی ہے۔ کہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی صرف ایک جھلک کا اور ایک سہما ہے اور حقیقت وصف کے اور اک سے عاجز رہ گئے ہیں۔ یعنی وہ صرف صورت و وصف کو پیش کر سکے ہیں حقیقت وصف کی طاقت نہیں پاسکے کیونکہ حقیقت وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق پرچوں کے سوا کچھ نہیں جانتا چنانچہ امام بوہی رتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ بیان کرنے والوں نے آپؐ اوصاف کی صرف صورت پیش کی ہے جیسے کہ پانی ساروں کی سوز دکھا دیتا ہے حقیقت نہ۔ اسی طرح امام قطبی رتہ اللہ نے اپنی تصنیف کتاب الصلوٰۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کل جن ہمارے سے ظاہر نہیں ہوا کیونکہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لاسکتیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں وہ صرف لوگوں کے سمجھانے کے لئے صواب عروت و عادت شعراء استعمال ہوئی ہیں کیونکہ حقیقت میں مخلوقات میں سے کوئی چیز آپ کی صفات خلقیہ و تخلیقیہ کی ماکلت نہیں کر سکتی۔

(۴) اعضائے شریف کے اوصاف میں توسط و اعتدالی جو حسن و جمال کا داراد فضل و کمال کا مہی ہے بطور کلیہ ہر جگہ محفوظ ہے۔

(۵) رسالہ مذہب میں صورت کی بجائے حسن سیرت کے چند مدارج و مراتب پیش کئے جارا ہیں۔ خدا کے کہہ سب اہل اسلام اور عوام کے لئے کتاب عمل میں جگہ حاصل کر سکیں تاکہ مسلمان منشائے ایزدی کے مطابق مسلمان بن سکے۔ واللہ المستوفی۔

وَرَحْمَةً يَخْتَارُ
تَلِيهِمْ اَلْاٰمَنَاتُ مَضَوْنَ اِلَيْهِ فَمَا
رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاَتَيْنَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا مِنْهُمْ اَجْرًا حَسْبًا وَكَفَيْرًا مِنْهُمْ
فَسَقُوْنَ

ترک دنیا جو اخصوں نے خدا کی خوشنودی
کیلئے ایمان کی قسمی۔ ہم نے ان پر اُسے فرض کیا تھا
یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو پوری طرح نباہ دے۔
پھر جو لوگ ان میں سے ایمان لائے تھے ان کو اُس کا
صلہ دیا۔ اور ان میں سے بہت سے کوئی اور نامق ہیں

اسی ارشاد کو اسی کے پیچھے الفاظ قابل فہم دیں۔ جن میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ایک ایسی
گندی حقیقت اور پوشیدہ معصیت سے پردہ اٹھایا گیا تھا جس کی تصدیق پوری طرح کلیساؤں
اور گرجوں کی منہدم عمارتیں کر رہی ہیں۔

سرکارِ دوا لم نہی کرم فخرانی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان نورانی انسان پر یہ
ہے کہ حضور نے گمراہ دنیا کی اصلاح فرما کر اس کی فطرت و مخلوق کو راہِ حقیقت سامنے کر دی اور
انسانی زندگی کے تجربے میں ارشادِ خداوندی کے ماتحت صاف صاف نشان دیا کہ لَا تَخْبِتُوْا فِی
اَلْاَرْضِ سَلَامًا یعنی اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے۔ یہ صدائے عام تھ کہ پہاڑیوں، طائفوں کی
واوٹیوں اور حجاز کے رگیستانوں میں گمراہی ہوئی ساری دنیا میں سچی جن لوگوں نے نشان کے کان کھڑے
ہو گئے۔ اور قلوب و ارواح میں ایک بیداری پیدا ہو گئی۔ انسان کی سولی ہوئی اور پردہ پوش فطرت
جہاں انھی جن کو دوسرے مذاہب نے قہقہہ ٹھٹھک کر سٹا دیا تھا۔ خدا نے واحد کے روضہ نشے
واوٹ کے سینوں میں طلب و جستجو کی برنگ دیگر ایک ایسی ہوا دی کہ متلاشیانِ حق جنگلوں،
ہاڈلوں، غاروں اور چٹوٹیوں سے نکل کر کھڑے کی طرف دوڑے۔ اور اس راہ کے پانے میں کامیاب
ہو گئے جس کے حصول میں ان کی جان لکھا رہا تھیں اور بے پناہ محنتیں ان کو مطلوب کی دلیز سے
شنا سنا کر اسکیں۔

جو فلسفیوں سے کُسل نہ سکا اور مکتبہ دروں سے مل نہ پڑا۔

وہ رازِ کمال کئی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یعنی حضور علیہ السلام نے خدا طلبی کے لئے دنیا نہیں چھوڑی۔ بلکہ اپنے فلاسوفوں کے لئے ان کی دنیا
کو بھی دین کا رنگ دے کر فرمایا۔ تَابِتًا اٰتِیًّا فِی الدُّنْیَا حَسْبَتْ لَّہٗ فِی الدُّنْیَا وَحَسْبَتْ لَّہٗ
فِی الْاٰخِرَةِ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ اَللّٰہُ اَبَدًا لَّہٗ

اس آیت مبارک میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ ارشادِ تعالیٰ نے اس
کارِ الٰہی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ دین یا عقیدے سے دنیا کو مقدم نہ فرمایا ہے
بلکہ یہ کہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اسلام کی بہت سی عبادات، مثلاً جہاد، زکوٰۃ، خیرات،
اشاعتِ دین، مالی بچوں کی پرورش، بیواؤں یتیموں، محتاجوں کی امداد، وغیرہ سینکڑوں
کم کم نیکیاں ہیں جو بغیر مادی اشیاء کے ممکن نہیں تھیں یہ سب کچھ عین دین ہیں۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اَلدُّنْیَا مِزْوَعٌ اَلْاٰخِرَةُ اَلْیَقِیْنُ دُنْیَا اٰخِرَتِ کُلِّ مَخِیْقَةٍ
اب کوئی نہیں جانتا کہ کھیتی میں بذر کاشت کئے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک دُنْیَا دار دُنْیَا کی
مادی اشیاء سے لطف و اُحسانے لطفِ اٰخِرَتِ میں حسرت و ادا ان کے سوا کیا حاصل کرے گا۔ خدا
کی زمین پر رہ کر اس کی چیزوں سے فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی نادانی بلکہ لغو ہاڈ قدرت کو
بے وقت بنانا ہے۔ دوسرے معنوں میں گویا ایک عہد کمال کی زندگی یعنی ہی اس دُنْیَا سے مفاد
حاصل کرنے سے ہے۔ کوئی طالبِ مولا دُنْیَا سے جدا ہو کر دین کا مالک نہیں بن سکتا۔

غارِ حرا کا مجاہدہ بعض لوگ رہبانیت کی تردید سے بدکتے ہوئے تعجب میں آکر میرا دوا لم
صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدہ حرا کو رہبانیت کے ثبوت میں پیش کرنے کی کوششیں کیا کرتے
ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ مجاہدہ غارِ حرا سے شناسا نہیں، یا رہبانیت کی تعریف
سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ تکمیلِ نفس، تادیبِ نفس اور کسبِ سعادت کے لئے
لازمی ہے کہ نفس سرکش کے من میں تقویٰ اور پہنچ گھڑی کی نگام دی جائے اور جذباتِ ہیبرہ
کے پُرسا شوبِ تلامک کے سامنے ایک فولادی دیوار کھینچ کر اس کو بے راہ دے ہونے سے روکا جائے
غارِ حرا کا طعن کار (جس کو ہم نے کسی دوسری جگہ بھی اسی رسالہ میں واضح طور پر لکھ دیا ہے) اس
مقصد کا علاج تھا۔ جس میں بقدرِ ضرورت خود و نفس اور خانگی تعلقات کا احاطہ بھی ایسا واضح
نظر آتا ہے جس پر رہبانیت کا فتنہ کرنا ایک مجبوطہ احوال، انسان ہی کا شیعہ ہو سکتا ہے۔
غارِ حرا کا مجاہدہ شادابی روح اور پختگی ایمان کی وہ بے نظیر حقیقت ہے جس سے انسان اپنی
ہیبت کو انسانیت کا لباس پہنا کر اور وحشت و ہیریت سے اپنے آپ کو دور کرنا کما حقہ
روحانیت پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور رہبانیت وہ طرزی کار جس پر اگر دنیا کے پنے والے سارے
انسان صرف ایک سال کے لئے عامل ہو جائیں تو یہ جہانِ آپ و گل ویرانہ ہو کر رہ جائے۔
وہ حکومت، نہ اسبابِ حکومت، نہ تاج، نہ تاج و تلے، نہ زندگی نہ موت کا فلسفہ، نہ زیارات سے

انسان پیش کرتا ہے جو مشیتِ الہی کی پرورش کر کے دنیا و دین کا تمام کر دے۔

پیکر نور

گواہی انظر میں سرکارِ دو عالم نبی کریم ﷺ سے اشد علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی گوشت و استخوان اور پوست و اعصاب کا مجموعہ نظر آتی تھی۔ انسان تھے۔ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور انسانوں کی طرح رہتے سیتے اور پتے پھرتے تھے لیکن تھے سراپائے ضیاء بحیثہ جمال، اور پیکر نور ایک شاخِ غلات تھا۔ جو بشریت کے نام سے اس نورِ یزدانی پر پڑا تھا۔ اہل نظر اس کا لہر خاک میں اس ضیاء و نور کی تجلیات پر ہر شاہد کرتے تھے۔ اور عام بھی یہ دیکھتے تھے۔ کہ عام انسانوں کی طرح حضور کا سایہ نہ تھا۔ اور آفتاب کی روشنی اور صوب میں آفتاب کا کوئی کس زمین پر نمایاں نظر نہ آتا تھا اور ابھی کہ کوئی کہتا تھا اس لئے کہ نور کا سایہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خود ایک لطیف شے ہے۔

حدیث شریفہ **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** مشہور ہے جس کو عبد الرزاق نے بالاسناد لکھا ہے یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ **يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي مَنِ الْأَوَّلُ مَا خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ**۔ یا رسول اللہ مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کوئی چیز پیدا فرمائی۔ قال: **يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورِي**۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جابر! تحقیق اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے اپنے نور سے میرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔

اس حدیث شریفہ اور اس معنوں کی دوسری احادیث سے یہ امر لوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ استودھ صفاتِ انانور من نور اللہ کے اشارات کے ساتھ کس نورانیت کے حامل تھے۔ یہی نورِ تخلیقِ عالم سے پہلے ایک زیادہ نفاذی ملک عرشِ ربانی پر چھلکا تھا۔ اور علماءِ اہلِ اقلی کی فضا میں اس سے بقدر نور ہی رہیں۔ ملائکہ و فرشتے اس کے گرد گھومتے اور اس پر پروانہ واز شاہد ہوتے رہے۔ پھر عرش سے نور حضرت آدم کی پیدائش کا سبب بنا اور ان کی پیشانی مقدس میں منتقل ہوا۔ یہی وہ نور تھا جس کی برکت سے حضرت آدم کو کلفتِ لکڑی تھابتی اُدھ کے خطاب سے سر قرار دی و سر بلندی نصیب ہوئی اور مسجود ملائکہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نجاتِ الٰہی۔ وراثتِ ربّانی اور خلافتِ الٰہی کی جتنی نعمتیں

فلح اُٹھاتا۔ برائی چھڑاتا۔ اسلحہ جوب و ضرب پہنچا۔ بھینس بھینس بھینس بھینس۔ غرضیکہ سب کچھ بہادری کے انوروں کا برکتِ لیبہ میں جاتے۔ یہاں تک کہ معترض عقل کے کام لے اور سمجھ کر ریاضت اور نفس کشی سے روح قوی اور تروتازہ ہوتی ہے۔ اور آدمی خواہشات میں اٹھناک سے یہ طاقت کمزور ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے علوم و اور کائنات اور مقامات مقبول متوسط کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور اور کائنات کے لئے والی اور عالمِ قدس میں کچھ پہنچانے والی ہے وہ ایک لطیف چیز روح ہی ہے۔ پھر جس قدر جس کی کثافت کو بذرِ لید بجا دے و ریاضات کے زائل کیا جائے گا اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور علوم و اور کائنات میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی جیسا کہ شیخ ابولحسن سینا کہتے ہیں

فہذا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت اُن تہ جہانی تعلق کا ہار ملے گا کہ وہ عالم اور وہ کس حد تک دنیوی مشاغل سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی توجہ خاص طور پر عالم قدس کی جانب مبذول ہو جاتی ہے۔ اور وہ اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موضوعاتِ اور ہی لغت اُٹھانے والے ہوتے ہیں۔

مگر اس کے پیشے نہیں کہ گھر بار سے قطعی انقطاع کر لیا جائے۔ کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا جائے دیگر اسبابِ راحت و ہلاکت ماری جائے۔ بیخود اور تنہائی میں اختیار ہو کہ انسان کا دنیا میں عدم موجودہ پر ہر جہان کے برسوں لگتا ہر روز سے رکھے جائیں۔ بکھرا ہوا ہے تو انہیں خشک کر دی جائیں ہاتھ اُٹھایا جائے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ایک پاؤں پر کھٹے ہوئے تو اسے من کر دیا۔ جس آسن پر چڑھ کر بیٹھا جائے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ اور ریاضت کا یہ طریق کار اور ترک دنیا و ترک لذات کا چکر لڑی جہاں ہوسوں پہلو نہ بدلا۔ مجاہدے اور ریاضت کے مزہ خلاف ہے۔ بلکہ اسلام علیہ السلام کا شعار جزا کا یہ عمل قانونِ قدرت اور انسانی لطرت کے مزہ خلاف ہے۔ عدم تعلقاتِ ماضی و غور و فوش۔ راحت مجاہدہ اس ملازم سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ اس سے عدم تعلقاتِ ماضی و غور و فوش۔ راحت و آرام سے علیحدگی اور انقطاعِ لذات و دنیوی نظریات آتا۔ بلکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غافلِ تقدیر و تقدیر نے انسانی تخلیق بیکار نہیں فرمائی۔ کہ زندہ کسی کے کام آئے اور نہ کوئی اس کے کام آئے۔ جو راہوں اور چکر کیل کی خام بہادری و عزم کیل کا نتیجہ ہے۔ اگر رب العالمین کی خوشنودی اسی میں تھی کہ ہر دنیا کو ترک کر کے خود اپنے اجسام کو فنا کر لیں اور اس کی نعمتوں سے کوئی نفی نہ لکھیں تو یہ غافلِ تخلیق بہت سخت ترین الزام اور بدنامی و صہ ہوگا۔ اور یہ کتنا پرکے گا کہ اس نے اس دنیا کیوں پیدا فرمایا۔ اور انسان کو اس میں کیوں بھیجا۔ انصرض غار کا مجاہدہ و تہلک اور انہیں

سیدنا آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئیں وہ سب کی سب اسی نور پاک کی بدولت ہوئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت امان خا اور اسی سے حضرت شیت و حضرت نوح علیہما السلام کو منتقل ہوتا تھا اسی نور مقدس حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا اور ان کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا خطاب دلا تا۔ اور عدنان تک چالیس پشتوں میں درجہ بدرجہ گزرتا ہوا بعد منات کو ملا۔ پھر ہاشم کی پشت میں ان کی عظمت و جبروت کا باعث بنا۔ پھر ہاشم سے یہ نور کرم حضرت عبد المطلب کو ملا۔ اور ملتے ہی ان کی سرداری و سروری کا نشان بن گیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اس کی تعلیمات کی تاب نہ لا کر عین عفتوان شباب میں یہ امانت کبر نے حضرت ابی بنی آمنہ کو سونپ کر اپنی ملک بقاد ہوئے جس کی نشانی آگے آگے آئے گی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے حاشہ ہوگا کہ بعض حضرات انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لفظ نور کی نسبت کو سن کر سمجھ اس طرح بدستے ہیں کہ تو بصر کو نور تصور کرنا اور نور الہی کو نفع دینا ایک گناہ عظیم ہے بشریت کی رٹ لگانا بشریت و ممالکت پر دھیمان دکھانا اپنے جیسا سمجھنا ان سے اہل نشان اور اسلامی نگاہیں داخل ہے۔ جہاں اب العزت مل و علا شانہ جسے نور فرمایا ہو۔ اس کی حقیقی نورانیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ نور او کتاب میں ہے مکار۔ قرآن کریم کے امانت امر کر لیا اسی حقیقت کے حامل نہیں کہ حضور شانہ یوم النشور علیہ السلام کو نور سمجھا جائے۔ بشریے ایک حفظ نے جو ایک خاص سبب کا حامل تھا ان بشریت کے عاشقوں کا راز معطل کر دیا ہے۔ اوجہ بھی پسند ان کے سامنے آتا ہے جسے بشریت مد سکندری بن کر نورانیت کے آگے حامل ہو جاتی ہے۔ اور نور اپنے لئے کیا کہ بشریت میں نورانیت کو کیا دخل۔ یہ تو ایک زیادہ سے زیادہ پاکیزگی کا استعارہ ہے تخلیق میں نور نہیں۔ اور نہ ہی نورانیت خاکی جسم میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ علیا زو بانہ میں کتابوں کے لفظ میں قرآن میں پاؤ نہیں رہتا۔ کیا سیدنا ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے ہاں ملائکہ نورانیہ کا لباس بشری میں آنا اور ابراہیم علیہ السلام کا ان کے سامنے انسان جان کر جھٹکا ہوا گوشت لاکے رکھ دینا یا انہیں پھر لوط علیہ السلام کے گھر جانا اور نوجوان لڑکوں کے روپ میں جانا جس سے قوم لوط پر مذہب کے لئے محبت قائم ہو سکے قرآن میں نہیں چڑھا۔ اگر چڑھا ہے۔ تو بتائیے۔ وہ ملائکہ نور ہی نہ تھے یا بشری لباس میں نہ تھے۔ ابراہیم اور لوط علیہما السلام نے کیا ان کو آدمی نہ سمجھا۔ اور حقیقت سے واقف ہونے کے بعد ان کو نورانی تسلیم کیا۔ اور کیا قوم لوط کے لئے ان کے عمل کو مذہب کی صورت میں نہ رکھیا اور پھر حریب واپس ہوئے تو

نور اور ملائکہ نور ہی نہ تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے۔ نور سرکار نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کو بشریت کے پردے میں آئے سے یا بشریت کو نورانیت کی حقیقت میں گم کرنے سے کوفہ استعارہ لازم آتا ہے۔ فافہم۔

منشآت

حق وحدانیت میں کچھ ایسی مفنات جیسی طاقت و ولایت ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے قلوب و ارواح کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے بشرطیکہ قلوب و ارواح پر فطری حجابات نہ ہوں اور کسی خاص جذبے یا عقیدے نے ان پر تقلید آہلی اور نصب کے سبب سے علوم اور حقائق تک دہائی کے دروازے بند نہ کر دیئے ہوں۔ یہی کہ فطرت صحیحہ کو کچھ چیز سے رکھتی ہے اور قلب کے آئینہ جہاں ناگو رنگ آکر رہتی ہے وہ صرف نصب ہے جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک طلب بافتہ اپنی فطرت کے خلافی اشیاء سے دریافت کر لینے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے کیونکہ وہ ایک امر الہی ہے۔ تمام جہاں عالم پر اپنی اسی شرافت و خاصیت کی وجہ سے توقیت رکھتا ہے اور اس کی اسی صلاحیت و استعداد کی طرف یہ آیت مبارکہ اشارہ بھی کرتی ہے۔ انا ما ضنا الا ما نزلنا الاخر۔ یعنی یہ استعداد و احساس میں ہے نہ زمین میں اور نہ پہاڑوں میں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ نصب کو فطرت صحیحہ کے لئے حجاب اور علوم و ادراک کے اور اک کی راہ میں روک بنا کر کسی دوسرے مذہب یا انسان کی کسی غیبت کے اعتراف اور کسی حقیقت کے تسلیم کرنے کی مطلق گنجائش ہی نہ سمجھی جائے۔

یہی کہ نصب کو نورنگی کا اندھا جوش کسی حقیقت اور سچائی تک نہیں پہنچنے دیتا۔ بنا برہا اگر غیر مذہب والوں سے اسلامی تعلیمات اور ہائے اسلام کی ذات و صفات سے تعلق اچھی رائے کا اظہار کرتا اور ان کی غریبوں کا معترف ہونا ثابت ہو جائے تو یہ حضور علیہ السلام کی صداقت کا وہ روشن اور مہتمم بالشان ثبوت ہے جو مستکشان حق و صداقت کے لئے مشکل راہ کا کام دے سکتا ہے۔ و حقیقت سچائی وہی ہوتی ہے جس کا امتزاج دشمن میں کرے۔

اس مختصری گزارش کے بعد فقیر سر و کائنات مفرح موجودات متعجب شمس جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیگر مذہب کے حضرات کی کتاب سے مختصر آدہ افکار و آراء پیش کرتا ہے جن سے حضور علیہ السلام کی وہ حقیقت اعلیٰ آشکار ہو جائے جس کی بنا پر ایک سچا اور سچا مسلمان

۵۔ اودہ معشوق خدا پیدا ہو یا کل الہ ہے
 برحق راہ گشت راہ چھٹی کا نڈھترا ۱۲ میں گوسائیں لسی داس جی فراتے ہیں کہ

یہاں نہ کچھ بات میں رکھوں	بید پران ست ست جھاکوں
بہ حسن و نعل ست نام ہوئی	یتہ کی بات نہ پاسے کوئی
دیں عرب پھر کھٹا سہا ہا	سوقل جھوٹیں گت سنو کھک انی
ستھو سمت تاکر ہوتے	ست نام او میں تھنھ ستھو
سمت کبھم کی دو دانگھا	مہا کوک نلس جھپتیر سا گھا
راج پٹ جھو پیت دکھاوت	ابن مت سب کو سمجھاوے
تپ لگ ہے ست نام چ کوئی	بنا جھند پار نہ ہوئی

نوجہدر طرفداری نہیں جو بد میں کھما ہے صاف کہوں گا۔ دس برابر میں رسالت تمام ہوگی
 پھر کوئی نہ پا سکے گا۔ عرب میں ایک خوشنما ستارہ اور ہرکت زمین ہوگی۔ مجھ سے ظاہر ہوئے اور نبی اللہ
 قاسم کہا ہاں گناہت کبریا بیت کل سمندر کی لعل والی صدی میں پہلے ہوگا اور اولوالعزم
 قاسم پر اپنا دل مہر سب کو کھمائے گا۔ اور اس کے دن کے جاری رہے تک نہیں ٹکے کوئی پار نہ ہوگا۔

۱۱۔ باہر کو دلاک کھٹے ہیں۔ نوریت زبور انجیل۔ سرے سن دھٹے وید
 سب قرآن کتاب کل جگ میں پروار

یعنی نوریت۔ انجیل۔ زبور کو ہم نے زبور دیکھا ہے اور وہ دونوں کو بھی۔ مگر دیکھ کے لئے جو کتاب ہدایت
 کمال کا موجب ہو سکتی ہے وہ قرآن ہے۔

پھر لکھا دربار صاحب ص ۵۲ میں ۱۔

جگ میں مورکھ بندہ کیا ہو جھے	اندھے کو دیکھ کیا سو جھے
بن احمد کچھ دے مجھ نہ پائیو	مورکھ اندھا گھوڑا کہا لائیو
الف احد سے احمد جھپو	ایسا جھپد کچھو نہ۔ لیو
احمد جھپد احد کے رچکا	جھپو جوت چاند کی سڈکا

۱۲۔ اخیر سا کھی جھانی بالا ح ۳۰۲ میں آتے ہیں کہ

اول آدم ہمیش ہوئے دو جاہر ہا ہوئے

۱۳۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں سے بعض اس طرح پائی گئی ہیں، مثلاً انجیل یوحنا باب ۱۔ آیت ۱ میں ہے

۱۔ افضل المرسل اور خاتم النبیین ماننا ہے۔ چنانچہ
 جھونک اور پران کے مصنف باس جی ایک مشہور ہندوستانی ہیں۔ کہتے ہیں بکرا شدہ
 لڑنے میں مہانت پیدا ہوں گے۔ ان کا نشان یہ ہوگا کہ ان کے سر پر بدلی سار کچی لور کے جھپکا
 سایہ نہ ہوگا۔ وہ دیکھ کے کچھ تلاش پیکریں گے۔ ان کل سب تلاش دین کے لئے ہوگی۔ پھر کچھ
 پیر کرینگے۔ اندک راہ میں خرچ کر دیں گے۔ تمام عمر کھائیں گے۔ عرب کے سرداران کے دن ہوئے
 اور وہ اللہ کے دوست ہوئے وہ ناور و زانا ان کو میں اوجھا پران بھیجے گا۔

۲۔ کھنکی پران میں دس اتاروں کا ذکر کھو چا ہے۔ جن میں ایک اتار کا نام کھنکی ہے۔ اس کے
 متعلق یوں وضاحت ہے کہ کھنکی اتار ظاہر ہوں گے اور ان کے باب کا نام دشواری ہے۔
 عبد اللہ ہوگا ۲۰، ان کا مان کا نام سوئی یعنی امن امان والی جھوسہ کی گئی یا آمد ہوگا۔
 ۳۔ ۱۰ غار میں نسیب کریں گے ۴۰ پریش رام یعنی روز الامین سے تعلیم پائیں گے ۵۰ اپنے
 وطن سے ہجرت کریں گے ۶۰ تمام نیک اور پاک لوگوں کو لکھ دین کریں گے۔

۴۔ مگ کو بیک منتر میں آپ کا نام احمد اور یکا وید میں جھنک علی اللہ علیہ
 لکھا ہے۔ اور لکھا ہے۔ لا ادرہ علی یا بین الادب پورہ پندم جہنم بیکت
 ہو اپنا ہونے جھپٹے ناہ محمد۔ یعنی لا ادرہ کہنے سے پرہم پرہم لیتے ہیں جو کہنے
 ہو اچھا ہو تو نام محمد علی اللہ علیہ وسلم کا ولی بن کر۔

۵۔ انھیں وید میں آیا ہے۔ بوجھانن الہی السہول محمد رک کہ بر شری یعنی سید کر شوال
 اللہ ہے۔ رسول محمد زور اور کا کران ہے اس کی پران کا۔

۶۔ ساقم وید میں یوں لکھا ہے کہ ہر سو دا ستاد جھاواکھا و اتھو پستنا پستنا نامک
 جھکھا نیو سدھاپیدا مشا سترے شادو تیا یعنی جس بزرگ کے نام کا پہلا حرف سیم اول
 آخری حرف وال ہوگا اور اس کے پیر کو جھکھن (زجھیکھا) کہتے ہوں گے وہی وہ شاستر
 کی رو سے پڑھتا ہے۔

۷۔ انھما وید کا نڈھ ۱۹ میں ہے۔ باجہو محمد جھگٹ ادا باب یعنی محمد کے پیشگی مشائخ
 گوسائیں لسی داس کہتے ہیں۔ کاشی پرپوت بادھن نیرتھ سبھی شاکام

۸۔ بیکتھہ باس نہ پائی مشاں محمد ناہ
 ۹۔ شمس کل کمال میں ہے۔ پاک شمسو کلمہ رہا محمد نال ملائے

آپ نے فرمایا ہے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دو مہلہ دے گا جو اپنے ہمارے
 اقد سے بہتر ہیں کی وہ روح جس کو دنیا حاصل نہیں کر سکی۔ پھر باب ۱۴۔ آیت ۳۰۔ یہ
 اطمینان اور اطمینان کے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ رہا ہے۔ تاکہ جب وہ اسے توکم میں نہ کر دے۔ اس سے
 سے بعد میں تم سے بہت سی باتیں کہیں گے کہ وہ دنیا کا مسواں ہے اور میں اس کا کچھ نہیں
 میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ اگر میں نہ جاتا تو وہ دھوکا دے گا
 اس سے نہ بچتا۔ لیکن اگر میں جاتا تو وہ تمہارے پاس بھیج دیتا۔ جب وہ سچائی کی روح آئیگی
 تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گی۔

۱۳۔ اکیلے رہنا فصل ۹۹ ص ۹۹ میں ہے کہ میں نے جواب میں کہا کہ میں نے کتاب
 میں لکھا ہے کہ ہمارا اللہ عقرب ہمارے پاس ایک سیاح بھیجے گا جو ہمیں اللہ کے ارادے کی خبر
 دینے آئیگا۔ اور دنیا کے لئے رحمت کا پیغام لائے گا۔ اس لئے تو کہہ کیا تو وہی اللہ کا میساہ ہے۔ تو
 یسوع نے جواب دیا کہ حق یہ ہے کہ اللہ نے ایسا ہی وعدہ کیا ہے۔ مگر میں وہ نہیں ہوں۔ وہ مجھ
 سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور مجھ سے بعد کوئے گا۔

پھر اکیسویں فصل ۹۹ ص ۱۲ میں ہے دیکھ لے گا، میری تعلیم جس پر جانے لگی۔ قریب قریب
 تیس سو تیس ہی باقی رہیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر اپنا حکم کرے گا۔ اور اس رسول کو بھیجے گا
 جس کے لئے سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں جو اس پر ایمان لائے گا وہ مبارک ہو گا اور پھر فرمایا ہوا جو
 اس کے کہیں اس کی جلی کا کچھ لے گا جس مستحق نہیں ہوں نہیں نے خدا کی طرف سے رحمت اور رحمت
 کے طور پر یہ تہہ پا رہا ہے۔ مگر اس کو مجھوں۔ اس وقت کا ہن لے گا۔ مہینا کا نام کیا رکھا جائیگا
 تو میرا نام کیا رکھا جائیگا۔ اس لئے کہ اللہ نے جس وقت اس کی ذات کو پیدا کیا
 تو اسے آسمانی روشنی میں رکھا۔ اللہ نے کہا اے محمد تو میرے ہی لئے جنت اور دنیا اور
 مخلوقات کی برائی جو تجھے بخشوں گا پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور جس وقت میں تجھے دنیا
 میں بھیجوں گا۔ تجھے اپنا رسول بناؤں گا۔ میرا کلام سچا ہوگا۔ زمین و آسمان کو رو رہا جس کے محمد تیرا
 ایمان کو ورثہ ہوگا۔ اور اس کا نام مبارک ہوگا۔

۱۴۔ باب ۱۴۔ آیت ۳۵ میں ہے کہ میں نے کہا کہ پانی سے بہت سی باتیں ہوں گی کہ وہ جو میرے پاس آتا
 ہے وہ ہے تو میرے لئے۔ وہ تمہیں روح القدس اور اللہ سے بہت سی باتیں دے گا۔ ایسے ہی اکیلے ہی میں
 ۱۵۔ لے جا رہا ہے۔ اور اللہ کی وفات اور وفات کے دو دروں کا قصہ بیان فرمائے جسے کہتے ہیں کہ وہ

و دروں میں لکھا تھا۔ محمد رسول اللہ خاتم النبیین لاقی بعدہ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر ابن مسلمان کو کہتے ہوئے
 سنا کہ میں ایک روز قریب بنی عبداللہ شہل میں گیا تو یہودی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک نبی
 کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آگیا ہے جن کو احمد کہے اللہ علیہ وسلم کہنا جائے گا جو حرم میں
 پیدا ہوں گے۔ پھر ابوبکر ابن مسلمان کہتے ہیں کہ وہاں سے میں بنو قریظہ میں پہنچا تو ایک جماعت
 دیکھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہی تھی۔ ان میں سے زہیر بن باطلانے کہا کہ کوکب احمد صلی
 ہو چکا ہے۔ اور یہ سنا جو کچھ معلوم ہوتا ہے جب کوکب نبی پیدا ہوا ہو۔ اور اب احمد صلی اللہ علیہ
 وسلم کے سوا کسی کی پیدائش باقی نہیں رہی۔ اور یہ شہر ان کا ہجرت کا ہے۔

۱۶۔ خصائص کبریٰ میں امام سیوطی نے امام نسبی کی نسبت ذکر لکھا ہے کہ صحیفہ امیر امیر علیہ السلام
 میں لکھا ہوا تھا۔ ان کا من ولدک مشعوب و مشعوب حتی یا فی النبی الامی الذی
 یکون خاتم الانبیاء یعنی آپ کی اولاد میں نہاں و نہاں ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ نبی امی
 آجائیں اور وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

۱۷۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ تم میرے بعد خلیفہ
 ہو گے یعنی اور عروۃ الوثقی کو لازم کہنا، اور خدا کے ذکر کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر
 بھی لازم کہنا کیونکہ وہ عرش پر اور میرے نہیں نے لکھا دیکھا اور وہی میری علف کا ماٹھ ہوا۔

۱۸۔ امام التفسیر ابن جریر طبری آیت کریمہ و اخذ الا لاح کے تحت ایک طویل حدیث نقل فرماتے
 ہیں جس سے نزات شریف میں ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارگاہ الوہیت میں عرض کیا کہ اے میرے رب میں لو ارج توبت
 میں ایک ایسی امت کا ذکر کرتا ہوں جو پیدائش میں سب سے آخری ہے۔ اور رحمت میں اوّل
 ہوئے کہ سب سے مقدم موسیٰ میرے رب ان کو میری امت بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
 کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

باندھ کر کھڑی ہے۔ جب کے اٹھوں میں غیب و مشک کی فروغی پیا میاں ہیں۔ اور ان کے آگے چلے
 نمازیوں کے جو کثرت جہاں تک گناہ کا سم کرتی ہے گریں اور چپا پائے۔ اور اس نور کی شہا پاشیوں میں حجابات
 آنکھ سے مٹھیں ہر گز باطلیہ عالم غیب کی شہادتوں کے منافی نہ ہوں۔ مانتے نظر آتے تھے۔ ولادت کے بعد
 پیہم و متعل اس کے گناہ سے پیدا ہوئے۔ اور فضاوں کو متور کر گئے تھے۔ خود حضرت عبدالعظیمؒ کے ولاد
 نے جس مکان میں تدم رکھا تو مشاہدات عجیب و غریب دیکھ کر گرنے لگے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں
 اور نخی آنکھوں دیکھا کہ دروازہ پر ایک مرغ سفید پر چھپا ہے۔ چھپا ہے جس کی روشنی سے مکہ کی تمام چاروں
 جگہ گرا رہی ہیں۔ فاطمہ زینبؑ نے کہہ دیا کہ یہ ساری دنیا والوں سے کہنا کہ حضرت کے ولادت کے وقت میں
 موجود تھی میں نے دیکھا کہ ایک پارہ نور آمنہ کے جسم سے نکلا اور تمام فضائے سفید کو متور کر گیا حضرت
 عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ جس محل کے وقت آتی تیز روشنی تھی کہ ہر طرف نور
 ہی نور نظر آتا تھا۔ عام لوگ نہ سمجھیں۔ نہ بھانپیں نہ کہیں جس گھر روحانی نگاہیں ہر شے اس نور کو
 دیکھتی رہیں اور دیکھتی رہیں گی۔

فاطمہ زینبؑ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت آمنہؑ کو درود شروع ہوئی تو اس وقت وہ سبلی
 تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ نے ان کے دل پر مسح کیا پس ان کا غوت و ہلر سا جاتا
 رہا۔ پھر مکی کے پاس سفید شربت لایا گیا جس کو پی لیا۔ اور اس سے ایک بے پناہ فریاد نیت پیدا ہوئی پھر
 ان کے پاس گھر کی طرف بھی چند عورتیں آئیں جنہوں نے ان کو تھیر لیا۔ آمنہؑ فرماتی ہیں میں نے ان سے
 پوچھا تم کون ہو۔ اور تم نے مجھے کہاں سے جان لیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک حضرت تھیں۔ اور
 حضرت مریمؑ میری آسبہ قرعون کی بوی اور باقی حوران بنتی ہیں۔ پھر عجیب ترین نور پھر بے پردوں
 کا ایک غول آیا جس نے اسے مکان کو ڈھانپ لیا۔ اور اس نور کی بارش میں رحمۃ اللہ علیہ پڑا
 ہوا دھلی اللہ علیہ جیلد و آلبہ و احمیاء و مسلمہ پس دیکھا گیا کہ حضرت
 قنبرؑ و زاری کرنے والے شخص کی طرح سجدہ کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں کو آسمان کی جانب
 اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر حضرت آمنہؑ نے دیکھا کہ ایک سفید ہڈی نے حضرت کو ڈھانپ لیا اور آمنہؑ سے آپ
 کو ٹائپ کر دیا پس آمنہؑ نے ایک کہنے والے کو کہہ دیا کہ آپ کو زمین کے مشرقی و مغربی میں گشت
 کرو اور مشددوں میں چھو دو تاکہ وہ ان کی حیثیت و صورت سے جان لیں۔ ہر کوئی تزل باقی نہ رہے چھو
 جانے کے زمانہ میں مشاہدہ جانے لگا۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ سے اللہ علیہ وسلم نے ان کی
 آنکھوں سے پاک۔ فخری طور پر چھتہ کئے ہوئے اور انہیں دیکھ لیا ہوئے۔ آپ کا چہرہ اور مشقت و

ظہور نور

جب اللہ تعالیٰ نے نور محمدیؐ کی حقیقت کو جسم و روح کے لحاظ سے ظاہر و باطن کے ساتھ ظاہر فرما
 چا تو اسے حضرت آمنہؑ زہرہؑ کے صدف جسم میں اس کی جگہ نور متعلق فرما دیا اور اس قریب و عجیب نور
 نے حضرت آمنہؑ کو خاص کر دیا کہ وہ اس کے محبوب متعلقہ کی ماں ہو اور سالوں اور زینوں میں مشا
 کر دی کہ ستر زہرہؑ ہر وقت گدی کے ادرار سے امیدار و امانت دار ہو گئی ہیں۔ پھر ہر ایک عاشق اس کی خوش
 کے چمکنے سے مشتاق ہو گیا اور نور محمدیؐ کا انظار کرنے لگا۔ مدق کی تیرہ زمین نے خشک سالی سے
 نہایت پانی۔ اور اس کو لکھا بارش سے روئیدگی کی گلی پوشاک پہنی۔
 جس شب کو یہ نور حضرت آمنہؑ کے بطن مبارک میں متعلق ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ و
 عنہما کی روایت کے مطابق اسی شب کائنات عالم میں ایک شور و غمی برپا ہو گیا۔ پھر حجر و آفتاب
 ہلکا ہوا۔ بارہ و ثوابت۔ و کون و بطور۔ برگ و بار۔ کائنات ارضی و فضا نے آسمانی کا زور و تیرہ ہوا
 ہوا اور شوق و یار محبوبی میں اضطراب کے پہلو پڑنے لگا۔

ابو نعیم نے ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم کے ساتھ حضرت آمنہؑ کے حاملہ ہونے کی علامت یہ تھی کہ اس رات قریش کا ہر ایک چار
 گویا ہوا اور بول اٹھا کہ نبی آخر الزمان و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ میں آئے
 ہیں۔ کہہ کے رب کی قسم وہ دنیا کے اسم اور علماء کے چراغ ہیں۔ اور دنیا کے اوشا ہوں میں سے کہ
 تحت و زراہیک اور صدقہ ہوا جو آپ کے محل کے بیٹوں میں سے ہر عینے میں آواز آتی تھی کہ خوش
 ماؤ کہ وہ وقت آپ پہنچا ہے کہ برکت والے ابراہیم اسم سے اللہ علیہ وسلم طہریں۔

ابن ابی عمیرؓ نے بھی یہی حدیث آمنہؑ نے خواب میں دیکھا کہ ایک پارہ نور ہے۔ جہاں کے جسم
 جدا ہو کر پوری ضیاء برائوں کے ساتھ جگہ جگہ گرا رہا ہے۔ اور اس کی روشنی میں ارض شام کی بستیوں
 صاف نظر آرہی ہیں۔ ابو نعیم سے روایت ہے کہ مکمل شرفیت سے چھ ماہ کے بعد کوئی آنے والا حضرت آ
 کے پاس خواب میں آیا اور کہا کہ میں آمنہؑ۔ بیشک میرے پیٹ میں خیر العالین ہیں۔ جب وہ پیدا ہو
 ان کا نام محمد رکھا۔ حضرت آمنہؑ فرماتی ہیں کہ وہ جس محل کے ساتھ آپ کا جسم اظہر پیراں کی طرح کا
 نکلا۔ ولادت کے وقت بام و درخت گرجا اٹھے۔ اور اسی روشنی میں میں نے دیکھا کہ ملائکہ کی ایک جماعت

مشرور اور دولوں آنکھیں عنایت الہی سے نہیں تھیں اللہ تعالیٰ کی شہادت و عاقبت بخیر

حصہ علیہ السلام کا بچپن اور رشتہ

مرد کا کائنات بھر موقوفات مختار شمشیر جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از شہادت
 عادل کہ اس آغاز عہد سے چالیس سال گزرے تھے ماہ ربیع الاول بروز شنبہ بوقت صبح صادق
 آفتاب سے پہلے کہ غریب سے منہ نہ بدو و جلوہ گر ہوئے۔ پوری کی پوری کائنات نے اس ظہور قدسی پر دل
 استراحت سے نہ جھکا یا انصاف سے بیٹھیں ایک شہر و سرست و شادمانی بلند ہو اکیسویں صبح کو کل کائنات کے
 تھے۔ تازہ نشانی میں بعض علماء سیر نے اختلاف کیا ہے کہ کئی ماہ ربیع الاول کی آفتابوں اور کئی بار ہجرت
 بتاتا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ بارش ہی ربیع الاول تھی اور بارہ ہی ماہ اپریل ۱۱۷۰ء تھی جس سال آپ
 پر تشریف لائے وہ سال عام الفیل کہلاتا ہے جس میں ایہ بادشاہین نے خاندان کعبہ کو گرانے کے لئے جوہر
 کعبہ و مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا چونکہ وہ ہتھیار نہ تھے کہ وہ پھر ہاتھیوں سے حملہ کر دیا اور اباہیلوں سے
 اس کے شکر و فخر کر دیا گیا عطا۔ اور اس کے ہاتھیوں اور لشکر کی تباہی کی نسبت سے اس سال کا نام بدست برہنہ ہوئی اور کبریوں کے روئے کے روئے ہوئے گئے۔ دو دھیں بھی کئی نالی اور مال و دولت میں اضافہ
 عام الفیل و ہاتھیوں والا سال (۱۱۷۰ء) کہلاتا ہے جس کا مفصل ذکر سورہ فیل کے ماتحت مشہور ہے۔ تفسیر اور اس کا بیان کیا کہ کئی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آپ نے چھ سال تک
 میں گھسٹا ہے۔ یہ عام الفیل والا واقعہ میں آیا تھا اور اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کو بلایا اور دن بھر کھلایا کرتی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آپ نے چھ سال تک
 بچپن روز بروز بڑھنے لگے اور کائنات باسعادت ہوئی۔
 حصہ کے فضائے عالم میں تشریف لائے سے پہلے شقیق باب کا سایہ عاطفت انصارہ برس کی نو ہجرت ہوا آپ نے اپنی کھلی ہوئی
 ہی سے اٹھ گیا تھا مگر وہ آپ کے زندہ تھے جو عجم جیسے کی نشانی جان کر نہال ہو رہے تھے۔ اور ان کا گناہ یا بیگانی گرو میں سکا کرتے بہت قابل ذکر بات ہے کہ دو دھیتے وقت ہمیشہ اپنے پیروں پر ہاتھیں رکھتے
 بیدار و تھیں کہ مرنے والے کی یاد گار سے گہری ہو گئی ہے۔ ساتویں روز حضرت عہد المطلب آپ کو اور بائیں طرف کا وہ دھیتے پہلے بھاگ دیتے تھے اسی لئے چھوٹا تھا۔ آپ کے چارہ اخی میں نبالی تھے بلکہ بائیں میں تھی اور
 دائیں ٹہنی و صوم و صدام سے عقیدت کیا اور تمام قریش کو ایک مکلف و شاد و زور و عت دی سب غلام اللہ ابنیہ اور حلیہ بھائی تھے حضرت شیماکے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ وہ مشرف
 ہوئے بہار کا وکی صدائیں بلند ہوئیں۔ لوگوں نے پوچھا ہر غلام کا نام کیا ہو رہا ہے۔ فرمایا محمد۔ تمام غلام ہوئیں مگر اوروں کے متعلق یہ نہیں چلتا۔ ابنتہ آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالمطلب نے آپ کی
 پر ایک دنیا بھر کی توصیف و ستائش کا مستحق ہو گئے وہ نہ جانتے تھے کہ یہ نام میں نہیں رکھ دیا۔ بلکہ کچھ ہے کہ وہ اعلان نبوت سن کر فوراً مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ اور ایک بڑی محبت علی کریم السلام ہو کر
 خود قدرت خداوندی ایک حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے۔
 رخصت عرس آپ نے یوم پیدائش سے سات روز تک اپنی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کا وہ دھیتے پایا جو کہ
 والدہ ماجدہ کی شہادت یہ خدمت انجام دی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بجا نہ ہوگا کہ یہ قریب ہی تھیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ بیمار ہوئیں اور وہیں بیمار میں سال انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئیں۔
 لہذا آپ کو آپ کی خادومہ زکیرہ (جن کو ام المین بھی کہتے ہیں) آپ کے جد امجد خواجہ عبدالمطلب کے

مرد کا کائنات بھر موقوفات مختار شمشیر جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از شہادت
 عادل کہ اس آغاز عہد سے چالیس سال گزرے تھے ماہ ربیع الاول بروز شنبہ بوقت صبح صادق
 آفتاب سے پہلے کہ غریب سے منہ نہ بدو و جلوہ گر ہوئے۔ پوری کی پوری کائنات نے اس ظہور قدسی پر دل
 استراحت سے نہ جھکا یا انصاف سے بیٹھیں ایک شہر و سرست و شادمانی بلند ہو اکیسویں صبح کو کل کائنات کے
 تھے۔ تازہ نشانی میں بعض علماء سیر نے اختلاف کیا ہے کہ کئی ماہ ربیع الاول کی آفتابوں اور کئی بار ہجرت
 بتاتا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ بارش ہی ربیع الاول تھی اور بارہ ہی ماہ اپریل ۱۱۷۰ء تھی جس سال آپ
 پر تشریف لائے وہ سال عام الفیل کہلاتا ہے جس میں ایہ بادشاہین نے خاندان کعبہ کو گرانے کے لئے جوہر
 کعبہ و مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا چونکہ وہ ہتھیار نہ تھے کہ وہ پھر ہاتھیوں سے حملہ کر دیا اور اباہیلوں سے
 اس کے شکر و فخر کر دیا گیا عطا۔ اور اس کے ہاتھیوں اور لشکر کی تباہی کی نسبت سے اس سال کا نام بدست برہنہ ہوئی اور کبریوں کے روئے کے روئے ہوئے گئے۔ دو دھیں بھی کئی نالی اور مال و دولت میں اضافہ
 عام الفیل و ہاتھیوں والا سال (۱۱۷۰ء) کہلاتا ہے جس کا مفصل ذکر سورہ فیل کے ماتحت مشہور ہے۔ تفسیر اور اس کا بیان کیا کہ کئی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آپ نے چھ سال تک
 میں گھسٹا ہے۔ یہ عام الفیل والا واقعہ میں آیا تھا اور اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کو بلایا اور دن بھر کھلایا کرتی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آپ نے چھ سال تک
 بچپن روز بروز بڑھنے لگے اور کائنات باسعادت ہوئی۔
 حصہ کے فضائے عالم میں تشریف لائے سے پہلے شقیق باب کا سایہ عاطفت انصارہ برس کی نو ہجرت ہوا آپ نے اپنی کھلی ہوئی
 ہی سے اٹھ گیا تھا مگر وہ آپ کے زندہ تھے جو عجم جیسے کی نشانی جان کر نہال ہو رہے تھے۔ اور ان کا گناہ یا بیگانی گرو میں سکا کرتے بہت قابل ذکر بات ہے کہ دو دھیتے وقت ہمیشہ اپنے پیروں پر ہاتھیں رکھتے
 بیدار و تھیں کہ مرنے والے کی یاد گار سے گہری ہو گئی ہے۔ ساتویں روز حضرت عہد المطلب آپ کو اور بائیں طرف کا وہ دھیتے پہلے بھاگ دیتے تھے اسی لئے چھوٹا تھا۔ آپ کے چارہ اخی میں نبالی تھے بلکہ بائیں میں تھی اور
 دائیں ٹہنی و صوم و صدام سے عقیدت کیا اور تمام قریش کو ایک مکلف و شاد و زور و عت دی سب غلام اللہ ابنیہ اور حلیہ بھائی تھے حضرت شیماکے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ وہ مشرف
 ہوئے بہار کا وکی صدائیں بلند ہوئیں۔ لوگوں نے پوچھا ہر غلام کا نام کیا ہو رہا ہے۔ فرمایا محمد۔ تمام غلام ہوئیں مگر اوروں کے متعلق یہ نہیں چلتا۔ ابنتہ آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالمطلب نے آپ کی
 پر ایک دنیا بھر کی توصیف و ستائش کا مستحق ہو گئے وہ نہ جانتے تھے کہ یہ نام میں نہیں رکھ دیا۔ بلکہ کچھ ہے کہ وہ اعلان نبوت سن کر فوراً مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ اور ایک بڑی محبت علی کریم السلام ہو کر
 خود قدرت خداوندی ایک حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے۔
 رخصت عرس آپ نے یوم پیدائش سے سات روز تک اپنی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کا وہ دھیتے پایا جو کہ
 والدہ ماجدہ کی شہادت یہ خدمت انجام دی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بجا نہ ہوگا کہ یہ قریب ہی تھیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ بیمار ہوئیں اور وہیں بیمار میں سال انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئیں۔
 لہذا آپ کو آپ کی خادومہ زکیرہ (جن کو ام المین بھی کہتے ہیں) آپ کے جد امجد خواجہ عبدالمطلب کے

پاس لائیں، جو جان دول سے آپ کی پرورش میں مصروف ہو گئے، چنانچہ حبیب عرب اس کا حضور کی آمد پر سرور
در تہنہ اور دوس رو کر ہوئی تو آپ کے چہرہ پر حضرت عبدالطلب نے بھی پرواہت پیاہشی برس اور
بقولے ایک سو پچیس برس کی عمر میں وفات پائی، حبیب حضرت عبدالطلب کا جنازہ چلا تو اس کے سر
حضور بھی چہنچہاں مبارک میں آنسو بہتے ساتھ ساتھ جاریہ تھے حضور کے لئے دادا کی موت اس امر
سے اور زیادہ صدمہ انگیز ثابت ہوئی کہ اس موت سے اقتدار ہاشمی پر وہ چوٹ پڑی کہ بنو امیہ بنو ہاشم
پر غالب آ گئے، عبدالجحد کی موت کے بعد آپ کی کفالت آپ کے کم کرم ابو سلام نے کی اور نہایت محبت
اور جہد دی سے پوری محبت کے حقوق ادا فرمائے، عرب کی اخلاقی حالت جتنی خراب تھی اتنا ہی حضور کو
خرابات سے میندد رکھ، مذہب مجتہدوں سے بچایا اور کار و بار میں چلانے کے لئے کوشاں رہے، اور عرب کے
قائدہ کے مطابق حبیب کی بیوی کا رو باری سفر اختیار فرماتے حضور کو برائے واقفیت اپنے ہر ان رکھتے،
غور کیا کہ آپ کا بچپن پر خط سے سلامت روی، ہوشمندی اور شرافت کا پورا مظہر تھا۔

آپ کی عالی سببی

یہ ایک مشہور بات ہے کہ نبی و امامت کو برائے نام اسبیت دی جاتی ہے اور اسے شرافت و وقار کا معیار
سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اعلیٰ خاندان میں عادات عالیہ پرورش پاتی ہیں اور اعلیٰ خاندان میں کمینگی اور ذات کی
افراط ہوتی ہے، اعلیٰ نسب کے لوگوں میں جہاں اخلاقی کم پاکیزگی، تہذیب، سلیفہ شعاری، عقل بندی اور شرف
میاں کی ہشتات و فزونی ہوتی ہے، وار مقابلہ اعلیٰ خاندان کے لوگوں میں ذلیل معاشرت، بے خبری، بے خبری،
بد انوری کوٹ کوٹ کر بھڑنا ہونی نظر آتی ہے، اداچے خاندان کی طرف ان میں بعض خصائل و ماسن ایسے بھی جوتھیں
کہ جن کی وجہ سے دنیا اس خاندان کے ان لوگوں کی عزت کرنے پر مجبور رہ جاتی ہے، ہر ضلالت اعلیٰ نسب لوگوں کے جن
کے لئے ذات و نسبت، اعلیٰ ذات کی نگاہوں میں ہر وہی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں نبی جلدی کو ترجیح دی
جاتی ہے اور اسے قرانی کی علامت سمجھا جاتا ہے

عرب میں نبی جلدی پر خصوصیت کے ساتھ غور کیا جاتا تھا، اور انسان تو انسان رہے، اونٹوں
اور گھوڑوں تک کے نسب لئے محفوظ رکھے جاتے تھے، ہر طبقہ کے بلند نسب لوگ اپنے ہی جیسے دو گھرانوں
کو جن کے نسب میں فدا ہستی پائی جاتی ہیں سمجھتے کہ اگر زیادہ انسان ہی نہیں، یہ ایک وہ شاہ کن ہلائی جتن کے
ذنب اعلیٰ خاندان ہر مقام پر اونچی نشست کو اپنی جاگیر سمجھتے اور بہت خاندان سببی کی جانب آتے آتے انتہائی

لوگوں میں گر جاتے، اسلام نے اس میں کا علاج کیا اور تیرہ بدعت سے کیا بہتر نم ایک ہوا اور ایک عورت سے
پاک کئے گئے ہو، تقاطع سببی کوئی نہیں تھا اسے شوب و وقار کل کرم اور قبیلے مروتیں اور بنیں، تمہاری پہچان کے
لئے ہیں، تم میں سے زیادہ قابل تکلم، اندر تعلی کے نزدیک وہ شخص ہے جو زیادہ عقلی اور اندر تعلی کا زیادہ اطاعت
نہاں ہو، مگر اس شخص کا فوری اشارہ کیا کہ وہ عزت جھری شرافت اور غروریت کا لانا تھا، اہل تہمتہ بہتہ
اسلام نے جھڑک دیا اور دنیا اس شکی پر مبنی جہاں نشانے ایندنی تھی اور انسان چھ تحقیقت و دفع ہو سکتی تھی
اسی بھی بدو تھے نصیحت کی مٹی دنیا میں اگر نہ گھڑی بھی کسی ادنی یا متوسط درجہ کے خاندان میں منتقل ہو
آئینہ شرف پرست لوگ خاص اور بے عیب اور خداوندی پر اعتزاز کرنے سے باز نہیں آتے وہ ضرور اس وقت
بھی زبان طعن دروازہ کرتے اس لئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مولد کریم نے اس خاندان میں
تبدیل اور اس گھر میں پیدا فرمایا جو عرب میں سب سے بلند و بالا حیثیت کا حامل تھا، چنانچہ حضرت جبریل امین
علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے مشرق و مغرب کی سیاحت کی کسی انسان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اور
کسی خاندان کو بنو ہاشم سے بلند نہ نہیں پایا، اور اسی کے مطابق خود حضور علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ
اب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ ذاتی عظمت و سعادت کے علاوہ خاندانی عظمت و شرافت سے بھی ایسی سرفرازی عطا
کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کریمیت والین تک میرا مقام خاندان و کاروی، بد اخلاقی اور بے اعتنائی
سے منور ہے۔

مواہب لدنیہ اور دیگر کتب میں ہر روایت حاکم و طبرانی و دیگر محدثین مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اوّل مسجد میں نشست اعتبار کی اور ایک آدمی اس نام فرمایا
جس کی نسبت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے صحیح میں روایت کی ہے، پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب
نے اہمالت مہا ہی، کہ وہ کچھ کہیں، آپ نے دماغ سے خیر سے کہہ کر ان کو اجازت بخش، تو انہوں نے چند اشعار
پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ قبل ولادت تشریف آپ صلب آدم میں ایک عمدہ حالت میں تھے جہاں پیوند
لگاتے جاتے تھے جیسے جنت میں، پھر آپ صلب آدم علیہ السلام میں حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اترتے، اس
وقت آپ لڑتے دگوشٹ و دھن جھا جھا جھکتی پڑو اور صلب سام بن نوح علیہما السلام میں ایک لطفہ تھے
اور اسی کی آپ نے بیت نسر کو دیو یا اور اس کے پوجنے والوں کو نشان پر فرمایا کیا، آپ اسی طرح ایک عالم کے گھر
میں اس وقت طبع میں ایک بہت سے ایک رحم میں تشریف فرما ہوتے رہے پھر آپ نے صلب عیسیٰ علیہ السلام
میں لڑا دل فرمایا تاکہ وہ آگ میں نہ جلیں، اور آپ اس وقت تک اصحاب کہید اور ارحام طاہرین منتقل ہوتے
رہے، جب تک کہ آپ کا شریک نسب اولاد حضرت بلند نسب میں شامل ہوا، خاصا کہ اس میں اس وقت تک بھی

جس سے ملنا غرض ہو کر ملت اور جس سے مخاطب ہو اس کو مسرور فرمادیتا۔ کوئی مصافحہ کرنے والا اگر مصافحہ کرتا تو وہ اپنا صدمت مبارک اس وقت تک نہ بھیجے۔ شتا، جب تک وہ خود نہ بچھڑاتا۔

ظاہر ہے کہ انسان ایک حالت پر کسی قائم نہیں رہتا یا تو وہ محاسن اخلاق میں ترقی کر رہا ہوتا ہے یا زوالِ اخلاق کی جانب قدم بڑھا رہا ہوتا ہے۔ یہی حالت اس مقدس نوجوان کی تھی جس کے دل میں ہمدردی کے جذبات بھرے تھے کسی کی تکلیف دہی کو بھی گوارا نہ تھی سادہ جہان کا درد ایک اپنے جگر میں سمجھتا ہوتا تھا۔ دلجوئی و ہمدردی غمخوار و رگدور۔ مروت و سیرت۔ فیاضی و بخشش۔ دریاہی و گرم نوازی اس کی میراث میں داخل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عیب کو عیب اور ثواب کو ثواب سمجھنے والی دنیا نے جب دیکھا کہ یہ جوان واقعی تمام بڑا خاں قدیوں سے میرا اور کذب و فریب سے منزہ ہے تو ان کے قلوب قاسمیہ بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے منصفانہ طور پر اس کو انصاف کا خطاب عطا کر دیا۔ درج اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے گئے۔ و صلی اللہ علی حبیبہ محمد والہ و آلہ و صحابہ و وسلم۔

عرب میں دوسری بڑا خاندانوں کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ وہاں کے بسنے والے ہر وقت جنگ و جدال اور شل و غارت کے عادی ہو چکے تھے۔ ہر لحظہ ان میں ہر امنی اور شور و شغب کے طغوان اُٹھتے اور جھگڑنے کی جگہ ان کے لئے وہاں جان بنے رہتے۔ کوئی فرد واحد بھی ایسا نہ تھا جو اس سلبِ ذہنیت سے اچٹاپ کو محفوظ سمجھے یا سرسید پریشان نہ ہو۔ بات بات پر نوازی بنے سیام ہو جائیں اور غلو کی نمایاں بننے لگتیں۔ مگر اس کا کوئی علاج نہ تھا اور نہ ہی کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ آخر یہ ہے راہِ قوم کی فکر راہِ راست پر آئے گی اور کیونکر اس کی یہ خواہیاں دور ہوں گی۔ سوچنے والا سوچتا بھی کیا کسی کو ہدایت دے کر سکتا ہے جو خود ہدایت کی راہ پر گمراہ ہو۔ اور ان کو نصیحت اور خود مایاں نصیحت کے مقولہ پر اصلاح ہمیشہ غیر ممکن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولا کریم نے غلو کی راہنمائی کے لئے مکتبِ سادہ کے ساتھ ساتھ ملی نوے دہائی فرمائے۔ جو ان مکتبِ سادہ کے بولنے چاہتے ترجمے اور ملی تفسیر میں ہیں کہ کام کرتے رہے۔ کیونکہ بعض علم السانی اصلاح کے لئے بیکار رہے۔ جب تک اس کے ساتھ ملی نوے نہ ہوں۔ کتاب کی کو ہدایت پیش کر سکتی ہے مگر ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی۔ مثالوں کسی جرم کے مومن میں مجرم کو برائیاں مثال سکتا ہے۔ مگر جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ہنر عرب کی اس حالت (اگر کوئی کہہ کر دریا گیا اور کہہ کا یہی امین آگے بڑھا داس لے کر اس کی اچھی کتاب ملی آئی تاکہ مکتبی کہ دو دوسروں کو ہدایت پیش کرنے کا حقدار تھا) اس نے لوگوں کو مجھ کیا۔ بڑے بڑے لوگوں کو باہر آکا۔ بڑے بڑے لوگوں کو دعوت دی اور ان کے سامنے ملک و قوم کی ہدایتی راہیں واپس لایا۔ انہیں جان کا کچھ ایسا خوفناک۔ مرنے والا اور جیسا تک فتنہ پیش کیا کہ سب کے دل ہی گئے اور ان کے کہہ

حقیتاً جو کہا گیا ہے۔ سو فیصدی صحیح ہے۔ پھر کیا تھا۔ اس نقص ہو تو ملای بھی ہو جاتا ہے۔ اس سبب اور اس صحبت میں گمراہی حقوق اور قیام امن کے لئے ایک ہاں اندازِ امن قائم ہو کر غیب کوئی ملک و قوم کے لئے اہم صورت پیش آجاتی۔ کوئی انتظام کرنا ہو یا جنگ و صلح کی کوئی گفتگو ہونی ہو تو پہلے یہاں ہی نویدِ بحث آتی اور اس میں بعد مشورہ کے انجام پذیر ہوتی۔ اس ضمن میں بنو اسد۔ بنو زہرہ۔ بنو مطلب۔ بنو ہاشم۔ بنو قیس سب قباہل تھے اور اس مجلس کے ہر ممبر سے عہد لیا جاتا۔ کہ وہ ہر امنی ملک کے ارتقاء کے لئے ہر امکانی سعی سے کام لے گا۔ اور مسافروں، مہاجروں، راہگیروں کی حفاظت میں ستون رہے گا۔ غرض وضعِ مال و شکر کی کرے گا۔ خطا محلوں سے مظلوموں کے سہانے میں کوئی دقیقہ اٹھائیں رکھنے اس ضمن نے دعوت تک کہ تمام عرب میں پسند تمام امن و تقدیرات اُنہیں ہیں جن کا الی عرب تصور بھی ذکر کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ اس جوان کے ذہن خدا داد کا کرشمہ تھا۔ جس کا ذکر انہما زہنوت کے ہدیہ بھی کہیں بھی مشق سے فرمایا جاتا تھا۔

آپ نے معلوم کر لیا ہے کہ اس جوان انسانی کی جوانی اور بہار کا نہ کیا گزرا۔ جو با اظہارِ فطرت سے پیشتر ہی اس میں تمام فائدہ جو ہر موجود تھے۔ ملک کی سیاست۔ قوم کے معاملات اور معاشرت کی اصلاح میں پورا پورا انتہا تھا۔ چھپیس سال کی عمر میں وہاں کی پاک زندگی گزارنے کے بعد شادی خاندان کا سلسلہ کیا جس کے حقوق کو پوری ذمہ داری دینی سے ایسا تھا یہاں جو تمام دنیا کے واسطے ایک قابل تقلید چیز ہے۔

حضور کی ازدواجی زندگی

تمام مخلوق کی ترکیب پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان ترکیب میں اعتدال ہے تو ہر جزائی حالت پر قائم ہے اور اگر اعتدال نہیں تو اس میں بھی قریب بہ زوال کبھی پائے گا۔ گویا ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال ہی اس کی جان ہے۔ اگر کروں تک کی کشش اپنے طبعی اعتدال سے ذرا منحرف ہو جائے تو سارا جہاں ترو بالا ہو جائے گا۔ آفتاب و ماہتاب گمراہے نہیں گئے اور کوہ و دریا ڈرتے ہیں بن کر اُڑ جائیں گے۔ جس طرح فطرت کی جان فطرتی اعتدال ہے۔ ایسے ہی مذہب کی جان مذہبی اعتدال ہے۔ اور مذہب ہی پر کسی سورت ہے۔ ہر کام چاہے دنیوی ہو یا دینی سب میں اعتدال ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ حقیقی کامیابی محال ہوگی۔

میشہ آرام و آسائش میں رہے چنانچہ انہی امور کے پیش نظر کتاب اللہ میں حکم دیا ہے کہ عائشہ و حسن
بالحدیث یعنی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ بھلا یہاں ایک صحیح حدیث بروایت ابوہریرہ
منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورتوں سے جھگڑا کرے کہ متعلق یہی نصیحت
ماں۔ ایک دوسری حدیث حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ عورتوں
کے پیش خدا سے ڈرو۔ کیا تم کہہ گئی ہو ان کو بعد ازاں دیا ہے اور باذن خدا ان کو اپنے لئے سلاسل تیار ہے۔ بیٹے
عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ان کو ناجی دے گا۔ وہ تمہارے پیچھے میں ہو گا۔ انہی نے اللہ تعالیٰ
سے عہد کیا ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی کا برتاؤ کریں گے۔ اب اگر نرمی اور شفقت نہ کرو گے
تو معاہدہ خداوندی کو توڑو گے۔ نظام زندگی درہم برہم ہو جائیگا اور درجہ اجتماع فناء ہو جائیگا۔

وہ کیا فہم مرد و عورت کو چھڑکی ملنے کی بجائے ایک ذلیل باندی اور ایک سکون قلب کے سامان کی بجائے
درجہ بندی کی جگہ میں بن کر رہیں کہ اس سکین، محبت اور جوارحیت کی دلیلی کی کیا قدر ہے۔ انہی اور حضور
علیہ السلام کی مقدس زندگی سے سبق لیں۔ کیونکہ میرا روئے عالم کی حیثیت ازواج میں بھی اپنے اندر پوش
رکھتی ہے اور اس کا یہ پوچھنا اور سن ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیسی تو کو ایک دوا یا پیڑیوں کے
ساتھ معاملہ کرے گا۔ لیکن آپ کے حرم میں ایک وقت متعدد بیویاں تھیں اور بیویاں بھی دو تھیں۔ ہر
حیثیت، علم اور مزاج کے گونا گوں فرق موجود تھے۔ ان میں صاحب جمال بھی تھیں اور بری عمر کی بھی۔ امراء

کی مگر گوشہ بھی اور عامیہ حیثیت کے افراد کی نور چشم بھی۔ مگر مگر یہ کہ رہنے والیاں بھی اور بیہ نشہ کی
بھی۔ مگر وہ کی اور شب گھنٹوں کی بھی۔ ایسی بھی تھیں جو بچھا پکے کھانے کی تھیں۔ مگر یہ کہ رہنے والیاں بھی
جو انہی دار و صہرت سے باہر نکلی تھیں۔ مگر ان کی صاحبزادیاں بھی تھیں اور بیہودگی رشتہ دار بھی۔
آرام و صحت کی زندگی بسر کرنے کی دلدادہ تھیں اور وہ بھی جو سادگی چاہتی تھیں۔ وہ بھی جن
کی عمارت میں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق تھے اور وہ بھی جن کی طبیعتیں تیز اور تند تھیں۔ پھر اس کے باوجود کہ
یہ کلکی صفات تک حاصل تھیں کبھی ان میں خفا کی معاملات پر جھگڑا بھی ہو جاتی تھی۔ رشک بھی پیدا
ہوتا تھا اور کبھی تو کہ بعد از ایک کبھی نوبت پہنچ جاتی تھی اور شکستہ شکستوں کے علاوہ سب سے زیادہ
ناؤں صورت یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے گھر میں فرد و جوارح کے دھیرے تھے سیم و طلا کی تھیلیاں انہیں
خوشحال اور کشائش کی بجائے فقر و فاقہ میں بسر ہو جاتی تھیں۔ پھر کیا یہ کہ ان میں کہ ان مختلف الخیال و
مختلف المزاج اور مختلف الطباعہ میں جوں کے ساتھ وقت گزارا اور ایسا کہ دنیا بھر کے انسانوں کے نمونہ
ہو گئے ہر کی عمر میں مشورے ائمہ المؤمنین حضرت علیہ السلام کے شادی کی ہر کہ کے ایک

بنائیں حضور علیہ السلام نے عورت اور مرد کے حقوق کی جو تقسیم فرمائی ہے وہ
مراعات و اعتدال ہی پر مبنی ہے۔ اور نصف قوی اور نصف نازک کے باہمی تعلقات درست رکھنے کے لئے
جو قانون لائے ہیں۔ وہ دماغ و فطرت دونوں کے عین مطابق ہے۔ غرض اس قانون کو گرم ملکوں
میں استعمال کیا جائے یا سرد علاقوں میں وہ ہر جگہ اور ہر وقت دونوں مغفوں کے لئے یکساں مفید
ہے۔ نہ ماں نہ باپ نہ بیٹے نہ کھانے نہ لکھنے نہ پھینکے نہ میر تقی میر کی قدرت فطرت کے مطابق
مزاج کے موافق اور نصف انسانی کے مناسب ہی رہتا ہے۔ اس لئے کہ قانون اسلام اسی وقت
فیر و گھڑم کہتا ہے جس وقت فطرت کا نشاں بدل جائے۔ چمکے فطرت بدلنے والی چیز نہیں اس
لئے قانون اسلام بھی نہیں بدل سکتا۔

یہاں پر چنانچہ مقصود ہے کہ اسلامی قانون میں ہر دو نصف کے حقوق کی لحاظ رکھا گیا ہے
مرد و عورت دونوں کو آزاد کیا گیا ہے۔ نہ مرد و عورت کا غلام ہے نہ عورت مرد کی باندی ہے۔ یہ یکجہ
انسانیت دونوں ہوا ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہ ہے۔ لیکن خلقت جسمانی
اور لوازم و حیثیات کے اعتبار سے دونوں کے فرائض جدا جدا ہیں۔ مرد کی بدنی ساخت، اعضا
کے آناچہ معاذ، قوت کا کمال، عقل کی روشنی، قوی کی پیاداری۔ مرد اور عورت دو اب اور وجہ و جلال
اس بات پر متفق تھے کہ مرد و عورت دونوں کو انہی میں جمل اور تعلقات پیدا کر کے عروج ضروری کے اتمام

کے لئے روپوش ہونا چاہیے۔ دنیا میں وہ دو چیزیں ایک دوسرے سے ترقی، رفعت اور عورت حاصل ہو۔
اہل و عیال، عروج و اترنا، ہمہ تنوں، محبت و ابرو، دوستوں، بیٹھ والوں اور ملک والوں کی سبب و کرم
کے اسباب پیدا کرے تاکہ سارے انسانوں میں اس کے کچھ نفع حاصل کر سکیں۔ مگر یہ کام اسی وقت ہو سکے
جب مرد کو اندرونی سکون اور فاعلی الطین حاصل ہوگا۔ کیونکہ جب تک ضمیر کو آسائش اور قلب کو راحت
میں نہ آئے اور ان میں جھگڑا ہو رہی ہو اور گرفت یافتہ نہ ہو اس میں تاہنگی پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک ان
اسباب کی فراہمی دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ حرارت اور وہ عورت جو بافتن و خلقت کے نازک اندام
معاذ و چشم بصیرت نواز اور لہجہ و آواز و فاعلی ہوئی ہے جس کے ہر چہ بدن انسانی دل کو طینت میں اور رشتہ
و سکون حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے جس کے جسم میں رطوبت مینہ کی شکل میں رہتا ہے۔ رشتہ کی کشش اور کشش
میں مشغول ہوتی ہے۔ انسان کے ضمیر کو، روح کو جو اس کو دل کو فاعلی کچھ شوق سے شخصی اور فاعلی پرشانیوں
سے نجات دلاتی ہے۔ اس کی خلقت کمزور ہے۔ اعضا نازک و ضعیف ہیں۔ بیرونی دنیا کی مشقتیں پر پشت
کرنے کے قابل نہیں۔ لہذا وہ اپنی ساخت جسمانی اور فطری نراکتوں کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہے کہ وہ

ممتاز و متول شانہ ان کی چشم و چراغ تھیں۔ اس سے بیشتر و شہرہوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس شادی کے وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی۔ بہت بڑی ناچہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مزاجی اور شرافت سے اس قدر تشریف لائیں کہ شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اور نکاح کر لیا۔ مگر وہاں یہ سے کسی کو بھی یہ امید نہ تھی کہ یہ بے جوڑ شادی دونوں فریقوں کے لئے بڑی مغفان و سعادت و مسرت ثابت ہوگی۔ مشہور عرب اور یورپی وتمدنہ بشمول ہر گرجیس سال اور یورپی کی چالیس سال۔ لیکن کیا ممکن ہے آپ تو آپ ہی تھے جن کی کسی بات میں ممانعت ممکن نہیں مگر اس وقت منہ اور شرافت خاتون نے بھی وہ قدر کاری دکھائی جس کی نظیر تو کیا کسی وقت میں کسی نہیں مل سکتی۔ ان حالات میں سرحد و مدیہ اسلام کی زندگی انھوں نے مصائب میں گھری ہوئی تھی۔ اور تھی۔ قوی۔ تمدنی۔ معاشرتی اور دینی بزرگوں نے وہاں آپ کے روشن مبارک پر غصے اس خاتون نے وہ ساتھ دیا کہ زائد مستحضر رہ گیا۔ وہاں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی یاد آجاتی تھیں تو آپ کی آنکھیں دھڑ دھڑا کر تھیں۔ کبھی بھی فریاد یا فریاد تو حضرت عائشہؓ چڑھا کر کہیں کہ آپ کیوں ایک بڑی عورت کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں۔ یہ آپ فرماتے۔ عائشہؓ تم نہیں جانتیں۔ خدا کی قسم اس وقت میرا ساق یا سب کوئی انیسویں میرا تھا۔ اس لئے اس وقت میرا ساق یا سب کا نشت اٹھنی کا درد ذرا ہر سر پر چلا تھا۔ اس سے ہر روز فہم اندازہ کر سکتا ہے کہ حضور کو اپنی بیویوں سے کس قدر محبت اور پیار تھا۔ اور کہہ کر آپ ہر معاملہ میں تمام بیویوں سے کیساں سلوک فرماتے اور ہر ایک کی دلجوئی کا ایک سا خیال رکھتے۔ ہر ایک کے لئے ماہر و طعام بھی ہر پر ہوتا اور آمد و رفت میں بھی کامل کیسا نیت پائی جاتی۔

سرور عالم باپ کی حیثیت میں

انسانی فطرت میں جہاں بہت سے جذبات قدرت کی طرف سے دونوں کے گھٹے ہیں اولاد کی محبت کا جذبہ بھی تقریباً تمام جذبات سے زیادہ نمایاں اور زیادہ شدت سے اس میں سرور کر گیا ہے۔ انسان اپنے بچوں کی خاطر دل کی دھوپ دات کی بے غوالی جسم کی مشقت۔ روح کی تشویش سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اولاد پر آج آئے۔ باپ کی شفقت اور ماں کی ممانعت و نسیاں ضرب آتش ہیں۔ اگر یہ دو جذبے دونوں میں نہ پائے جائیں تو یہ جو درد کائنات ایک آجڑی ہوئی بستی نظر آئے۔ اور ہمارا عالم میں انسانی دیو کی پودا و سقوط ہو۔ ساری کائنات کی اختیار ہو

جوں مگر ان کا استعمال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ بھوکہ یہ سب کچھ اثرات مخلوقات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر خود اثرات مخلوقات کی عینا ہو تو اس سب کچھ کا مستفاد کیا رہ جائے۔ یعنی اسی جذبے سے ہر کچھ پرورش اور تربیت پاتا ہے۔ نہ مانتا جو نہ ان میں کا پوچھ اٹھائے نہ پرورش کرے نہ باندھ تو جو ہو اور نہ یہ پرواں چڑھے۔ ایک یہ جذبہ ہی ہے کہ کوئی نیت کے جس میں باوجود ہزاروں تکلیفوں کے مان بچے کو اٹھائے پھرتی ہے۔ نہ اچھوٹ جاتی ہے۔ عادات بدل جاتی ہیں۔ چلتا پھرتا بیٹھتا بیٹھتا دو جہر ہو جاتا ہے۔ دروڑ کی تکلیفوں سے روٹنے کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ سہانے گل شاخ کرنے کے اس کو اٹھاتا پھرتی ہے۔ اس کی حفاظت کرتی ہے پھر جب وہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کرینے سے چٹائی اور کندھے پر لٹکائے پھرتی ہے۔ خود جاتی ہے۔ اُسے ساتھی ہے۔ خود بھوکا رہتی ہے اُسے کھاتی ہے۔ پھر ایک دن اس دو دن میں پورے دو دو برس اس کو اپنا خون پلا پلا کر پرورش کرتی ہے اور بچے کو جان ہونے تک اس کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ اسی طرح باپ اسی بدلیں پھرتا ہے اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے راتوں کو جاگتا ہے۔ مین حرام کر لے۔ اپنا آرام چھوڑتا ہے۔ بندہ پڑتا ہے۔ پڑا لگتا ہے۔ بھائی سبتا ہے۔ دکھ رو رہی رہتا ہے۔ یکہ ایک طرح میں اوقات جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ بچوں کا پریش ہے۔ ان کی تعلیم مکمل ہو۔ ان کی شادیوں باقاعدہ ہوں اور یہ محبت زیادہ آرام کی زندگی گزارتے ہیں۔ نیک بختی۔ ان بچوں کے لئے و صحت بچاؤں کے میرے بعد اور میری موجودگی میں تکلیف دہ اٹھائیں۔ اور یہ سب کچھ کسی۔ کچھ کسی مشقت یا کسی حوص کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ فطری۔ جہر سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ پس دنیا چلانے کے لئے دنیا میں ایک تکلف و مشا اور ذوق عقل و فاضل و اہل بیت حتمی اور د انسان تھا۔ پھر انسانی قربیت کے لئے نہایت ضروری تھا کہ ماں باپ کے ال یہاں کی کا وہ جذبہ پیدا ہو جو سب جذبوں سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے۔ اسی جذبے کے ماتحت غور حضور غایہ اسلام نے بچوں کی تربیت کے لئے اس کو جو تعلیم دی ہے۔ وہ ایسی ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے سے قبل ہی اس کے لئے اس جذبہ کیوں اعداد و قریاں ہیں۔ کہ جب بچہ کی کے پاس جایا جائے تو وہ خود ہی اس میں غرض کیا جائے۔ ابھی اگر اس میں سبب شرف سے تیب علم میں نہیں گئی یہ عطا ہونے والا ہے۔ تو ہمیں اس وقت غمگینہ جذبات سے بجا اور تمام مجسمہ خیالات سے ہمارے دل اور دماغ کو غلط فطرتا۔ بلکہ ہمارے اس وقت کے مجسمہ خیالی اثر کرنے والے بچے کے دل و دماغ پر نہ پڑے۔ بچہ کی محبت میں حضور علیہ اسلام کا یہ ارشاد اس غریب کا حال ہے۔ کہ بچہ ابھی باپ کی صاحب سے ال کے رحم میں بھی نہیں پہنچا اور حضور اس کی پاکوئی کی تہ ذرا ہے۔ یہ کہ کوہ ماں باپ کے جذبات و خیالات کا اثر بچے پر ماں کے پیٹ میں ہی پڑتا ہے مشرور ہو جاتا ہے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ بچہ کے دایں کان میں اذان اور بائیں کان

میں بکریوں اور بھینس ایک دوسرے نہیں۔ بلکہ ہر ایک اس وقت اذان اور کبیر کے الفاظ سمجھنے کے بعد ان کلمات طہیات کی پابندی سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے دماغ پر ان کلمات کے پاکیزہ مفہوم کا اثر ساری عمراتی رہتا ہے۔ پھر مذکورہ گنتی دیتے وقت دعا بھی پڑھنے کا عمل فرماتے ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کی مدد کے بغیر ساری اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پھر ساتویں دن حقیقت اور حجاب اور اس کے برسرے ہاؤں کے برابر چاندی کی کڑیاں کھانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی حفاظت ہو اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کو اللہ کا بندہ بنا۔ مطاوع ہے حیوانیت اور سنا چاندی ایسی چیزیں نہیں جو بچے سے غریب رکھی جائیں۔ بلکہ بچے کے مقابلے میں یہ اس کے ہاؤں کی بھی حیثیت نہیں رکھیں اور بچے کو انسانیت سمجھانے کے لئے یہ سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے اور ختم بھی اسی نوعیت کی چیز ہے جس سے یہ چیزیں نہ ہوتیں۔ کہ جیسے بچے کی باطنی پاکیزگی اور مدار کا خیال رکھا جاتا ہے اسی طرح اس کے جسم کی دقتی اور موت کا خیال بھی مرثاں باپ کا فرض ہے۔ پھر ایام رمضان میں ترک بچوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ تاہم بچہ اگر بیمار ہو یا بطن پر کوئی وجہ کا اثر دیکھ کر نہ پڑتا ہے تو دوسرا دوا عالم سے اللہ علیہ وسلم اہم رعایت کرتے ہیں۔ بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرماتے ہیں۔ اسی شریف میں ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے دوا دے کر دیکھتے تھے کہ اس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیکھ کر متھکا کر اُسے پانڈولنے اور اس کے پاس اور جسم کو سونگھتے۔ کیونکہ جو سونگھنے کے پچھلے کوئی طور پر متھکا اس پناہ دیا جائے مگر جسم ہات نہ ہو حضور علیہ السلام کے بچے کو سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ سونگھنے سے کیا مطلب تھا یہی کہ بچہ چل جانے کہ اس کے ساتھ بچے کا جسم بھی صاف متھکا ہے یا نہیں۔ الغرض یہ سب کچھ ایسی ایک فطری جذبہ کی ہولت ہیں جو قدرت نے دلوں میں درج فرما رکھا ہے۔ اور آپ کی حیثیت سے حضور علیہ السلام کی زندگی نہایت شاندار حیثیت رکھتی ہے۔

حضور علیہ السلام کے آگے بچے ہوتے۔ تاہم۔ ابراہیم۔ طیب اور طاہر چاہے صاحبزادے اور فاطمہ۔ زینب۔ ام کلثوم اور قریبہ چاہے صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادے کو شہ فروری ہی کے عالم میں درج مغارت سے لے گئے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم تھی اگر مرد کی حیثیت میں جو کہ زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو پہلے انیسویں سال کی آئے اولادوں کے مقابلہ میں جنہوں نے منصب نبوت پایا۔ ان کی توہین تھی۔ اور اگر زندہ رہ کر نبی ہوتے تو ختم نبوت کا مسئلہ قائم نہ رہتا۔ اس لئے رب العزت میں دعا شانہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ البتہ صاحبزادیاں ہیں۔ برہمیں جو ان ہوئیں ان بیاباں ہیں۔ صاحبزادے حضرت ابراہیم کے موافق حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے باقی تمام بچے حضرت

ام المومنین عذیبہ اکبرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پہلے شادی کے بعد پانچ سال تک کوئی اولاد نہیں آئی آئے عرصہ کے بعد صاحبزادی زینب پیدا ہوئیں۔ عین کی شادی حضرت ابراہیم سے ہوئی۔ اور حضرت زینب کی شادی بنتیہ بن ابراہیم سے اور حضرت ام کلثوم کی شادی اسی نتیجہ بن ابراہیم سے۔ اور حضرت فاطمہ کا عقد حضرت علی بن ابیطالب سے ہوا۔ گریبا چاروں صاحبزادیاں اپنے کنبہ میں بیاباں ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم بھی حضرت زینب کے خاتم زاد عزیز ہی تھے۔

بعثت نبوی کے بعد حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب کو طلاق ہو گئی جو کچھ انھیں کے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زینب کو بھی پہلے فطری مرگئی تھی۔ مگر حضرت ابراہیم کے ایمان لانے کے بعد پھر تجدید نکاح ہو گئی۔ اس لئے کہ دونوں میں بہت محبت تھی اور شہر کا سوک شریف زاد رہا تھا۔ الغرض سرکار دوا عالم سے اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام اولاد سے بعد محبت تھی اور اس میں سفید و کبیر کی کوئی تفریق نہ تھی۔ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو بہت خوشی ہوئی اور خوشی میں اُن کے والدین کو ایک ندامت عطا فرمایا جیسا کہ چلچلے ذکر ہوا ہے حضور صاحبزادے ابراہیم کی دایہ کے ان صاحبزادے کو دیکھتے جاتے اور ہار فرماتے تھے۔ ایک دن آپ تک۔ صاحبزادے کی بیماری کی خبر لی حضرت عبدالرحمن بن موقت کو سامنے لیا

اور وہ ان تشریف لے گئے۔ صاحبزادے کی حالت خراب دیکھ کر تشریف لیں ہوئی۔ عالم زندہ تھا۔ لکھنؤ میں آئے۔ حضرت عبدالرحمن بن موقت کے استفسار پر فرمایا۔ عبدالرحمن یہ محبت کے انیسویں دن آپس کو قتل ہو رہا ہے۔ مدینے پہلے اے یہ صاحبزادی زینب کی طرف سے براہ شوالش رہی کیونکہ ان کے خلاف فیر مسلم تھے۔ جب وہ جنگ دریں مقابلہ پر آئے تو کچھ لڑے گئے اور اس شرط پر روکا کر دیئے کہ وہ جاتے ہی زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔ اور اس نے بھی بھیج دیا۔ پھر بعد کو ایمان لے آئے حضرت زینب کی طرح حضرت فاطمہ بھی آپ کو بہت محبت تھی۔ ان کی دوا کی تکلیف بھی لیتے تو بیتاب ہو جاتے تھے۔ یہ سب اس کو شش میں رہتے۔ کہ میں اگر ام میں رہے۔ اور زوجین کے تعلقات میں کوئی نا خوشگوار پیچیدہ نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے انا رب سے محبت کرنے والا نہیں پایا۔ حضرت فاطمہ عاصمہ بن ابی اسحاق سے کشتے ہو جاتے۔ پیشانی پر پوسہ دیتے۔ اور اپنی جگہ بٹھالیتے۔ حضرت حسن حسین اور امامت سے بھی بہت پیار فرماتے اور رخصت مبارک پر سو اڑھائی گزتے حضور کی مقدس زندگی پر نظر ڈالنے سے یہ چلتا ہے کہ آپ ایک آدمی اور اکل دنیا تھے جن کی مثال دنیا کی تک نہ پائی کر سکتی ہے اور نہ کر سکے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی مشاغل

کسب معیشت اور حصول معاش کا سب سے زیادہ پر مشتمل اور نفع بخش ذریعہ تجارت اور صرف تجارت ہے۔ اس لئے کسب معیشت کی وسعت میں دلچسپی رکھنے والے اسی پیشہ کو آپ کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے لئے تجارت کو سنت قرار دے دیا۔ تاکہ فرزندین اسلام دنیا میں عزت و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ حضور کے خاندان میں ایک عرصہ سے تجارت ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اور آپ کے تمام پہلے بزرگوں کا بھی ذریعہ معاش تھا۔ باپ - چچا - دادا - پردادا سب تاجر تھے۔ اور آپ کے پردادا "اشم" قرآن اے اور مزہم" تاجر ہوتے ہیں کہ تک عرب اور ہمسایہ ممالک میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کی تجارت کی وسعت سے صرف ان کو کافی نہیں پہنچا بلکہ تمام قریش کی تجارت چمک گئی۔ تاجر عربوں میں پہلے ہی تجارت ہوتی تھی۔ مگر وہ نودھ و شکر سے کی جاتی تھی۔ شام نے میدان تجارت میں قدم رکھتے ہی تجارت کا نقشہ بدل دیا۔ پہلے تو انہوں نے قیصر روم، شام، حبش اور فرات و انہوں میں سے خط و کتابت کی۔ اور اس رنگ میں کی۔ کہ ان سے عربوں کے مال تجارت پر محصول و دیر نہ گئے۔ نہ فروان حاصل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ کھلے بندوں تجارت ہونے لگی۔ اور حصول کی عدم ادائیگی سے۔ کاروبار کو زیادہ ترقی ہو گئی۔

حضور نے بھی جوں جوں ہر کاروبار پر اختیار فرمایا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ بچپن ہی میں آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ کئی تجارتی سفر کئے۔ اور ان کی مرضی بھی یہی تھی۔ کہ آپ کاروبار سیکھ لیں۔ اور آپ کو بھی اس پیشہ کی سوز و گداز کا احساس ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ نے ہوش نبٹا لیا۔ ہی تجارت شروع کر دی۔ آپ کے دو چچا حضرت عباس اور ابو طالب ہم سے تاجر تھے لیکن ابو طالب کا کاروبار کوئی بہت بڑا نہ تھا۔ آپ کے والد صاحب نے بھی کوئی امانت نہ چھوڑا تھا۔ اور نہ ہی کام میں لگائے کہ کچھ سرمایہ پاس تھا۔ اور اختیار بھی تجارت ہی کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کا بہتر ذریعہ یہ سوچا۔ کہ نصف منافع کی شرط پر دوسرے لوگوں سے ہی کہ تجارت شروع کر دی۔ کیونکہ مکہ کے تاجروں میں یہ دستور تھا۔ کہ معین منافع کی شرط پر دوسرے کام کرنے والوں کو اپنا مال فروخت کے لئے دیا کرتے تھے۔

آپ کے پاس گو سرمایہ نہ تھا۔ مگر آپ کے صدق و درانت کی اتنی شہرت تھی کہ کلاہی لوگ آپ کو تجارت کے لئے اپنا مال بخشی دینے پر رضامند ہو جاتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ تجارت کی کامیابی کے لئے جتنے اوصاف ایک کام کرنے والے کے لئے ضروری ہیں وہ سب

آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ آپ کی شہرہ، دیانتداری، ہوشمندی، اور اعتباری اور شش خلق سب پر انہیں شمس معنی ۸۰ وادی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ کے ارادہ کی فرماتے ہی تجارت لے آئے آپ کو منتخب کر لیا اور اپنی توجہ آپ کی جانب مبذول کر لی۔ اور آپ نصف منافع کی شرط پر لوگوں کا مال لے کر خرید و فروخت کے لئے دور دور کے سفر اختیار فرماتے تھے۔ آپ کی تجارت دھانائی سے جوں جوں کامیابی ہوتی گئی۔ لوگوں نے آپ کو اپنے مالوں کے ذخیرے سپرد کرنے شروع کر دیے۔ آپ کا دورہ تجارت شام، بصرہ، بحرین اور یمن تک جاتا تھا۔ آپ کی ایثار و جہد اور اور پاکیزہ معنی اخلاق سے تاجر اس قدر متاثر ہوتے کہ ہر گز مال دینے میں آپ کے منظر نہ رہتے تھے۔ جس سے ایک دفعہ سابقہ پڑا۔ وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی قریظہ نے کہا کہ زمانہ ماقبل نبوت میں میں نے حضور علیہ السلام سے خرید و فروخت کے متعلق ایک معاملہ کیا تھا۔ تمام ضروری مسائل و مسائل طے ہو گئے۔ صرف دو جادہ باقی باقی تھے۔ ایک روٹی تھیں۔ تو میں یہ کہہ کر چلا گیا۔ کہ آپ انقلاب فرمائیں میں آتا ہوں۔ اتفاق سے مجھے ایک ضروری کام پڑ گیا۔ اور میں اس میں مشغول ہو کر آپ سے کیا ہوا وعدہ بالکل بھول گیا۔ میں روٹ کے بند تکمیل معاملہ کے لئے گیا۔ تو آپ کو جہاں چھوڑ گیا تھا وہیں پایا۔ آپ کی پیشانی پر بن تک نہ دیکھا۔ اور آپ صرف اتنا فرما کر مجھ سے بھر غائب ہوئے۔ کہ آپ نے مجھے بڑی رحمت دی۔ میں تین روٹے آپ کے انتظار میں رہیں کھڑا ہوں۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ میں آپ کی اس دہندی وعدہ اور طرز عمل سے بہت متاثر ہوا۔

ایک صاحب صاحب نامی ہارماہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف اسلام ہوئے۔ لوگوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں ان سے مذاقہ نہیں ہوں۔ اور ان کو تم سے زیادہ مانتا ہوں۔ اس کے جواب میں صاحب برسلہ کہیں ہاں باپ آپ پر قرآن۔ آپ تو میرے طریقہ تجارت وہ سچے ہیں۔ اور آپ کا معاملہ ہمیشہ نہایت صاف اور پاکیزہ رہا ہے۔

حضرت قیس بن سائب کا بیان ہے کہ شریک کار تجارتوں کے ساتھ ہمیشہ آپ کا معاملہ صاف رہا۔ کسی ایسا نہیں تھا کہ کسی سے کوئی جھگڑا یا مناقشت پیدا ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ معاملہ کی صفائی و جہد کی دہندی۔ سکائی اور راستگاری کا رواج تجارت کے لئے کتنی اہم اور بنیادی چیزیں ہیں۔ انہی سے تاکہ قائم ہوتی ہے۔ اور تاکہ ہی سے تجارت میں نرا بندھتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عربوں کے کہ تاجر بھی آپ سے معاملہ کرنا اور لین دین موجب منافعت سمجھتے اور آپ سے شرکت کرنے کے متمنی رہتے۔

کتب سیر میں ہمیں صرف عبداللہ بن ابی قیس بن سائب خوی اور بی بی خدیجہ ہی کے اسماء غرامی ملتے ہیں۔ جن سے حضور صلیہ السلام نے نبوت میں شرکت کی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے علاوہ بھی اور لوگوں سے شرکت کی ہے۔ بقرہ قیس کہ آپ مدت تک میرے ساتھ کام کرتے رہے۔ اور آپ کا لین دین نہایت زیادہ زیادہ رہا جس میں آپ سے مشارکت کی۔ وہی آپ کی دولت کا مستحق تھا۔ چنانچہ آپ کی دولت اور کاروباری لیاقت ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت بی بی خدیجہ نے آپ کو از خود پنجم بھیجا۔ کہ اگر آپ اوروں کا کام چھوڑ کر صرف میرا ہی کام کرنے پر رضامند ہوں۔ تو میں جو کچھ اوروں کو دیتی ہوں۔ آپ کو اس سے دو گن دوں گی۔ یہ یاد رہے کہ اس وقت حضرت خدیجہ نہ صرف مکہ بلکہ تمام عرب میں ایک مشہور تاجرو تھیں۔ لاکھوں روپے کا کاروبار تھا۔ مکہ سے جب قافلہ تجارت کا روانہ ہوتا۔ تو ایک تنہا ان کا مالی تجارت تمام فریقوں کے مالی تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ بی بی خدیجہ کی تجارتی قابلیت اور تاجرانہ بصیرت کا اعتراف تمام تاجروں کا تھا وہ دولتی حیثیت سے بھی نہایت معاملہ فہم۔ نیک نفس۔ ستودہ صفات اور پاک طبیعت بی بی تھیں۔

اس وقت بی بی خدیجہ کا کام کرنا اور تجارت کی مشارکت بڑی عزت و شان کا کام تھا۔ مگر کیم نے اس پیغام خدیجہ کو سن کر زبرد ویا کہ آپ خدیجہ سے معاہدہ کر کے کام شروع کریں۔ جس پر آپ بھی رضامند ہو گئے۔ کیونکہ ظاہری حیثیت میں خدیجہ کے کام کو سنبھالنا ایک اشتیازی شان کا موجب تھا۔ اور نفس کی بھی بڑی توقع تھی۔ چنانچہ معاہدہ ہو گیا۔ اور آپ مال میکہ بصرہ کو روانہ ہو گئے۔ پہلے ہی سفر میں آپ کو اتنا منافع ہوا کہ بی بی خدیجہ خوش ہو گئیں۔ تین ماہ تک آپ نے نہایت منت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ اب بی بی خدیجہ کے سامنے دو امور تھے ایک کاروباری منافع اور دوسرے اتنے صفات و کمالات اور سحر کے اثرات و تعجب انگیز حالات کا دوش گزار ہونا جو آپ کی شانہ بی بی خدیجہ کو پوری طرح متوجہ کر گئے۔ اور بی بی صاحبہ نے خود درخواست غلت کر کے جنون سے تکاج کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ پہلے بطور گیشی کے کام ہوا۔ پھر اب بنفس خدا مالکانہ حیثیت حاصل ہو گئی۔ کام اپنا ہو گیا۔ تجارت اپنی ہو گئی۔ اور سارا معاملہ ہی اپنا ہو گیا۔ اب آپ نے بی بی تمام تر توجہ کاروبار کی طرف مبذول فرمادی۔ ایک موسم میں شام۔ بصرہ اور ایشیائے کوچک تک۔ دوسرے موسم میں کویت۔ یمن۔ بحرین کی جانب مال تجارت لے جاتے اور خرید و فروخت فرماتے۔ اس دور میں نبی کو دسائے نقول و عمل اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں مفقود تھیں۔ اور دروازہ ملکوں اور علاقوں میں مالی تجارت لے کر جاتے اور مشہور منڈیوں۔ بھارتی مرکزوں۔ بڑے بڑے شہروں اور قریبی سواہروں پر اپنا مال لگاتے۔ اس سے آپ کی مستعدی اور اور المعزنی پر کتنا تیز روشنی پڑتی ہے اگر مقررہ انھیں کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔

ممکن تھا کہ یہ کوششیں آپ کو ملک التہار سے کچھ اوپر کے درجہ میں بھی لے جائیں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ کیونکہ قدرت کو آپ سے دوسرا کام لینا مقصود تھا۔ اور یہ تمام تجارتی حوصلہ مند اپنا نہیں ختم ہو کر گئیں اور اب آپ پر دوسری حالت طاری رہنے لگی۔ یعنی اعلان ہونے کے بعد آپ کی اس ساری ہمد و جہد کا فوٹال شروع ہو گیا۔ اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ لیکن منصب نبوت پر بھی حضور نے حاصل اور محنت۔ تجارت و کاروبار کو فراموش نہیں فرمایا۔ اور اپنے فلاحوں کو ہدایت فرماتے رہے کہ۔

الْحَيْكَاةُ سَمِعُوا عَنْ جِبْرِائِيلَ أَنَّهُ قَالَ لَهَا طَلَبُ الْخَلَالِ. یعنی عبادت کے تیرہ جہز ہیں۔ جن میں افضل ترین جز کسب حلال ہے۔

حضور صلیہ السلام سے پہلے جتنے راہنما دنیا میں تشریف لائے۔ کسی نے بھی معاش کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ جتنی آپ نے اس پر توجہ فرمائی ہے۔ گریہ طلب حلال کو اس قدر ٹوک دیا کہ عبادت کا دھچک سے دیا۔ اور رفیع الہی کے بند حلال روزی کا طلب کرنا سب سے اہم فریضہ ذکر کیا۔ چونکہ معاش و معیشت میں سب سے اہم چیز تجارت ہے۔ اس کے متعلق لاشاء فرمایا کہ دیندار تاجر قیامت کے دن شہداء۔ صحیفین اور انبیاء کے ساتھ اٹھیں گے۔ تجارت ضرور کرو کہ روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے روزی اسی میں ہے۔ آہ مسلمانوں کے لئے کسی قدر شاندار تعلیم ہے۔ اگر سمجھیں۔ وہ بالذات رفیق

آپ کا منصب رسالت

اللہ تعالیٰ نے ﷺ کو اشراف مخلوقات پیدا فرمایا ہے۔ چونکہ اس سے اس کا رشتہ عالم میں بیشمار کام لینے مقصود تھے۔ اس لئے اسے عام مائدوں کی طرح فطری ضروریات کا مناسب کام سبب و معدود علم ہی نہیں دیا۔ بلکہ اس کے لئے علم کے سمندر پھیلا دئے۔ کیونکہ تمام مخلوقات کے سرور کے لئے تمام مخلوقات کے متعلق علم رکھنا اعلیٰ مرتبہ بڑا ضروری تھا۔ اور اس کی میں یہ پیدا فرمائی کہ اور بار بندہ گواہی انہی میں سے اپنے ایک برگزیدہ و اشراف ترین بندہ کو فرائض رسالت کی انجام دہی کے لئے منتخب فرمایا تاکہ وہ تمام مخلوقات تک اس کی روشنی و منشا کا علم پہنچا دے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی سبائے کسی اور طریق پر کسی اور مخلوق کے ذریعے بھی یہ کام کر سکتا تھا۔ فرشتوں کے سپرد یہ خدمت کی جاسکتی تھی۔ یا براہ راست یا بلا توسط قوتات و دلیر و امیل و قرآن و نازل کئے جا سکتے تھے۔ ہاں اس میں یہ قدرت ضرور ہے۔ مگر وہ ناقابل فہم معیار العمل اور غیر مفید طریقہ اختیار نہیں فرماتا۔ اور اس کا ہر کام بطریق احسن ہوتا ہے۔ کہیں آج

بھی موجود ہیں۔ مگر بغیر معلم و استاد کے کس کو علم آتا ہے۔ ہر علم کے ساتھ معلم کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ معلم استاد کی بجائے فرشتہ ہو۔ تو تعلیم کو ضرور سامنے آجاتی۔ مگر تعلیم کا عملی نود سامنے نہ آتا۔ فرشتہ فرشتہ ہی ہوتا۔ اور کفر و فساد کی شوگر طبع یہ آسانی یہ کہہ کر مٹا دو جاتیں۔ کہ یہ اپنا فرشتہ ہے۔ کھانے پینے۔ سونے جاگتے۔ بڑی بھول اور قدام لازماً بشری سے پاک ہے اس کی تعلیم کی پابندی انسانوں سے کہہ کر انتظام دی جا سکتی ہیں۔

چونکہ مولا کریم کو رب۔ ولی کی خواہش اور افتاد طبع سے پروری واقفیت تھی۔ اس لئے اس نے مذرات و قسمیوں کے سارے دروازے بند کرنے کے لئے ایک انسان ہی کو اپنے بندوں کی اصلاح و تعلیم کے واسطے اس منصب جلیل پر فائز فرمایا۔ جو محسن انسانی کا پیکر اور فطری امین تھا۔ ساعر و مینا کے دور پہل رسد ہیں۔ ملاح و حرام کا سوال ہی نہیں۔ ایمان و اشرف کی زندگیوں جسم یکدس بنی ہوئی ہیں۔ مگر وہ قریب سے بھی نہیں گذرتے۔ عربی مستوریت حسن و جمال کی مستیوں سے چمک رہی تھی غانی کی دعوتوں میں مصروف ہیں۔ مگر وہ پاکیزان بہشت سے بالکل الگ تعلق رکھتا ہے۔ اور ہر ایک جانتا ہے کہ اس کو چلائی ہے محبت اور ہر پرتی سے نفرت ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی برا نہیں اور پیچھے جھٹے قباہ کی جانب قدم نہیں اٹھایا۔ تاکہ جو تعلیم اس پر ازل برسلے والی ہے۔ وہ خدا کی مخلوق کو اس کی طرف خود اس کا نود بن کر دعوت دے سکے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جتنا آدمی تعلیم کے نود سے فائز ہوتا ہے۔ اتنا محض تعلیم سے فائز نہیں ہوتا۔ بندوں ہی میں کا ایک بندہ اپنی کی طرح کھانا پیتا۔ جتنا سہتا۔ پلتا چھڑا اور تعلیم اپنی کا نود بن کر کھاتا ہے۔ پھر جب وہ تعلیم پیش کرتا ہے۔ تو دوسرے لوگ اس تعلیم سے رو دگی کے لئے کوئی معقول نود نہ لاسکتے تھے۔ اور نہ ہی غیر ممکن کا نام نہوت ہے اور اس علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ عقل فطری کا کم و بیش ہونے کا انکار کیے بغیر کیا جا سکتا ہے۔ عقل میں اگر اختلاف مراتب ہوتا۔ تو تمام لوگ علم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے۔ اور یہ حالت کہ انسانوں میں کوئی اس قدر غبی ہے کہ کھانے پر بھی بڑی شکل سے سمجھتا ہے۔ اور کوئی اس قدر ذہین ہے کہ خدا سے اشارے میں سمجھ جاتا ہے۔ کوئی اس قدر کامل کہ بغیر سکھائے تمام باتیں اس کی طبیعت سے پیدا ہوتی ہیں اور اور انبیاء علیہم السلام کی یہی مثال ہے۔ کیونکہ ان پر ایک سے ایک باتیں خود بخود مکمل جاتی ہیں۔ بغیر اس کے کہ کسی سے سیکھا یا سیکھیں۔ مگر کا قول ہے کہ نبی میں تین خواہشیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ اپنے جہر نفس کی صفائی اور شدت اتصال بالمادی العالیہ اور بغیر کسی بیرونی علم اور سائنس و تقیم کے غیب کی خبروں سے اطلاع دے دے (۲) اس کے میرے غصہ کی میں محتاج اختیار

کے انداک اور صور الہیہ کے انکشاف کی قابلیت اور صلاحیت پر دوسرے ملائکہ کی مورد تفریق کر مشاہدہ کرے اور بذریعہ وحی کے کلام الہی سمجھے۔

مگر اگر دو عالم میں کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں جب الہ کو لطف کا اعتبار ہوتا تو رفتہ رفتہ آپ پر بیخودی طاری ہونے لگی۔ بحیثیت اور استغراق و ن بدن ندادہ ہوتا تھا۔ اسرار دل کی اداسی نے یہاں تک پہنچا دیا۔ کہ آپ کسی گوشہ تنہائی کی تلاش فرماتے گئے۔ کبھی کبھار گھر میں ہی در قباب صورت بنا کر آنکھیں بند کر کے کولے میں بیٹھ جاتے۔ اور کبھی جب گھر میں ہی سکون نہ ملتا تو جنگل میں تشریف لے جاتے۔ آخر ایک دن جنگل کی خاموشی میں بھی جب قلب اظہر کو سکون حاصل نہ ہوتا۔ تو پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جہاں ایک فار نظر آیا۔ جس کو اپنی صفائی کے لئے نودوں کچھ کر افند تشریف لے گئے۔ دیکھا تو سات مستقر ہے۔ مدرم سی روشنی بھی پڑ رہی ہے۔ آپ خوش ہو گئے۔ اور وہاں پر گھر تشریف لا کر اپنی رفیقہ حیات سے فرمایا کہ یہاں تین میل کے فاصلہ پر پہاڑ کی چوٹی پر ایک فار ہے۔ دل چاہتا ہے کہ وہاں بیٹھ کر کچھ دن مجاہدہ و عبادت کروں۔ رفیقہ حیات بھی آخرا سی پائیدگی کی حامل تھیں کہ خدا کے محبوب و رسول کا ساتھ دے سکیں۔ کلام مذکور میں آپ کے ارشاد کے ساتھ مان ملائی۔ اور حضور وہاں تشریف لے گئے۔ کبھی کھانے پینے کی اشیا گھر سے پہنچ جاتیں۔ اور کبھی حضور خود تیرے چوتے روز گھر میں تشریف لاتے اور لے جاتے فار کی دل پسند خاموشی اور گوشہ دولت میں آپ غور و فکر اور مراقبہ فرمانے لگے۔ دیکھا تو ایک آپ کے سامنے کسی مذہب کی تعلیم نہ تھی۔ اور نہ ہی کسی استاد کی ہدایت۔ نہ وہاں پر کوئی پختہ تھانہ نود

یا حال بنا سکتے تھے۔ کیونکہ جب اپنی میں کا ایک ایسا وجود جو خود کو بھی بندہ قرار دے۔ خود پر عمل کر رہا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے کر رہا ہے۔ تو پھر ان کے انکار کی کیا حقیقت پیش ہو سکتی ہے۔ بہر حال دیگر رسالت ہی نہیں ہے کہ جو پیغام ملا وہ پہنچا دیا۔ بلکہ وہ مسرتی بھی ہے جو تعلیم دے۔ اور وہ نود بھی ہے جو اس پر عمل کر کے دکھا دے۔ کہ حکم کی تعمیل یوں ہوتی ہے۔ اور اس طرح اس کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک انسان خود غافل و اذرع کو ہو اور دوسروں کو خیانت اور دروغ بانی کے خلاف و عطا کرے۔ تو عوام الناس کے پاس اس کے جواب میں ایک دلدور قہقہہ اور طعن آمیز خندیدگی کے سراپا ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس کے کہ جس انسان کی اپنی زندگی و فائز عہد کا مرتبہ ہو۔ وہ جس بات کی تلقین کرے گا۔ اس کا ضرور اثر ہوگا۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بنا پر ایک بندہ بھی کہ منصب رسالت تو نہیں کیا گیا۔

نبوت رسالت خدا کا عطا کردہ ایک منصب ہے۔ مولا کریم جیسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ یہ کسی چیز نہیں۔ اور اس کی عرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو کلک

و شہادت سے نکالنے۔ ایک ٹھکانہ بھی بات بتانے۔ اپنی مرضی پر مطلع کرنے۔ کسی خوف سے ماموں نرا کسی امید پر اطمینان بخشنے۔ اور کسی خوشخبری کے پہنچانے کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو پسند فرماتا ہے۔ اس منصب کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ بڑے کے متعلق اہم غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قدر ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں پیدا نہیں گئیں۔ ذہن، انعامات، فہم و فراست اور عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کسی قدر مختلف المراتب ہی ہوتے ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا اُس سے زیادہ ذہین اور تیسرا اس سے زیادہ ذہین ہے۔ مگر یہ بڑے بڑے ہوتے ہیں ایک تک نوبت بھی پہنچتی ہے۔ کہ ایک شخص سے وہ اعمال مرز و پستے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو لوگ شاعری میں، ثبوت تقریر میں، صنایع میں اور ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز و گزیرے ہیں۔ وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ اور یہ درجہ فطری ہوتا ہے۔ پڑھنے سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں وہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دوسرے لوگ کتنی ہی محنت اور کوشش کریں۔ ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے ان ہی قوتوں میں حقائق اشعار کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ اور کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے۔ اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کسب و تعلیم کے بغیر ان کو حقائق اشعار کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا۔ اسی قوت مصنف ایک قلبی جوش و روح کی بے قیودی اور فیضی رہبری تھی۔ جو کسی محبوب کی جستجو کے روحانی مہاجروں اور عرفانی شاہدوں کی ہم اندکرا رہی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے فارسی ترکیز، لاطینی کا اللہ اور آپ پر انوار الہیہ کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ کو آنے والی منازل کا تصور بنانے کے لئے ابھی ابھی غائب اور بیداری میں تجلیات اپنی نظر آتے گئیں۔ ایک دن اسی فارسی میں آپ مصروف مراقبہ تھے کہ اچانک فارسی بند ہو گئی۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اور آپ کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ *اقرا باسم ربک الذی خلق۔* حضور علم الکلام نے فرمایا۔ میں پڑھتا نہیں جانتا۔ پھر جبرائیل امین نے آغوش میں لے کر دوسرے سیرت اور کہا۔ اب پڑھئے۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ پھر جبرائیل امین نے جھیل پکڑ دی آیت تلاوت فرمائی اور کہا اب پڑھئے۔ اور وقت حضور کی زبان مبارک پر وہ الفاظ جاری ہو گئے۔ فرشتہ مغیب قوائم ہو گیا۔ اور آپ وحی کے اثرات سے کانپنے لگے۔ جسم پسینے میں شرابور تھا۔ سانس نہایت تیزی سے چل رہا تھا۔ آپ اٹھے اور گھر تشریف لے آئے۔ طبعیت میں وحی الہی کی عظمت

سے ایک دہشت تھی۔ رفیقہ حیات سے فرمایا۔ مجھے سخت مروی لگ رہی ہے۔ مجھے جلد کبھی اٹھاؤ۔ انہوں نے کبھی تو اٹھا دیا۔ مگر مروی ہو کر چائے۔ وہ تو فطرت ہی کا اثر تھا۔ مشکل سے ٹھیکہ دیر کے بعد جب سون بڑا، تو رفیقہ حیات نے انرا دوا محبت و ہمدردی منال پر چھپا۔ کہ یہ کیا درد کیونکر ہوا۔ تو حضور علیہ السلام نے حالات بیان کرنے شروع کر دیے۔ ابھی ات کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ چہرہ ہی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضور نے اس کیفیت کی شدت سے متاثر ہو کر فرمایا۔ مجھے تو اپنا بیٹا محال نظر آتا ہے۔ ٹھکانا بیوی بدلیں۔ آپ گھبرا پڑے نہیں۔ اٹھ کھائے آپ کو ہرگز نہ مانع نہ فرمائے گا۔ آپ تو وہ ہیں جو عزیزوں اور محتاجوں کی دشگیری فرماتے ہیں۔ اقربا نواز ہیں درد مندوں سے محبت فرماتے ہیں۔ مظلوموں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ اور سب سے بااخلاق ہیں اے ہیں۔ آپ تسلی فرمائی۔ مجھے تو آپ کی یہ حالت کسی فزع و فزع کا عنوان نظر آتی ہے۔ آپ ذرا سنبھلیں تو میں آپ کا اپنے پیچھے بھائی وردہ بن لوں گے پاس لے چلوں گی۔ جو انجیل کا بڑا عالم اور مصروف و مصروف آدمی ہے۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت سنبھلی۔ تو حضرت رفیقہ آپ کو روتہ ہیں تو اس کے پاس لے گئیں۔ اور سارا حال کہہ سنا دیا۔ وردہ بن لوں نہایت غور سے سنتے رہے۔ پھر پورے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی مانوس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہو تھا آپ کو مبارک ہو آپ نہایت شاندار اور اولوالعزمہ مستقبل پائے والے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بہت بڑھا ہوا ہوں اور یہ قوت نہیں رکھتا کہ آپ کا نذر نبوت پاؤں۔ اگر زندہ رہا۔ تو آپ کا ساتھ دیتا آپ کو لا رہا ہوں کہ آپ کو اپنی قوم سے بہت سی تخطیات پہنچیں گی۔ آپ کو وطن سے نکال دیا جائیگا مگر آپ کیلئے یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ میں خدا را نبیا علیہم السلام کو نبیا پر کھڑے لائے ہیں سب کے ساتھ ان کی اگام نے ہی سونگ گیا ہے اس خوشخبری کو سن کر حضرت محمد بہت خوش ہوئے اور کہیں کہیں میں توچے ہی یہ حق تھی کہ یہ محبوب ترین و اقدس موزوں کسی مرام جمیل کا دیباچہ ہے۔

مگر طبیعت خداوند علیہ السلام سے اسی رفیقہ حیات کے وردہ بن لوں سے وہ بڑا حق شناس مسکن کر و اس کی تشرف لے آئے جو حضرت حضور بن کا حصہ تھا۔ یہ انبیاء سابقین کی طرح اس نوبت کا دیباچہ بنا دیا۔ جو فارسی میں آپ پر کھولا گیا جس کے تذکرہ کی ترقی کے تمام دور و زمانہ ہو کر ایک انتہائی نقطہ پر پہنچ گئے تھے آؤ سید الانبیاء ائمہ علیہم السلام نے حضور زکرا کو اس سلسلے کے کچھ حصے کے لئے ختم کر دیا جو آؤ سید الانبیاء سے شروع ہو کر سید ابن مریم علیہ السلام تک پہنچا تو خفا ہو کر کہیں وہ رسالت سے سب سے پہلے ہیں کہ ناکہ تمام نبیوں کے ظہور کا ایش ہے اور سب سے آخری میں ہمارے اس سلسلہ کی خاتمہ ہو۔ اور یہ نبوت پر ہی علیہ السلام ہے جس کے لئے دو ازل تمام انبیاء علیہم السلام سے معاہدہ ایمان کا عہد ہو گیا تھا۔

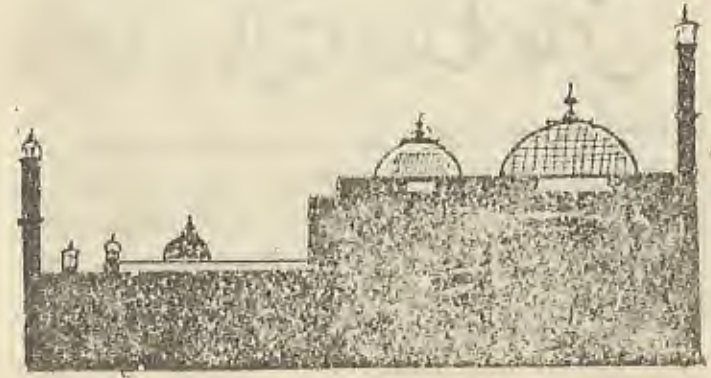
آغاز دعوت و تبلیغ

حضور علیہ السلام نے وردہ بن لوں سے جو سنا وہ اپنی ہی ایک اور کیفیت اور کئی حقیقت کا ترجمہ تھا طبیعت

ہمیں لڑنا کہ وہ لہجہ خدا کا مالک اور مالک اکل کا محبوب نہ ہوتا۔ ہم کیا اور ہمارے اعمال کیا حقیقت ہے
 بے کر کے کا نہیں کہنے کے مالک کا منہ داتا ہے۔ مولانا کریم کو شرم ہے تو اسی کریم کی اور لڑنا ہے تو اسی کریم کا
 ورنہ وہ دینیان میں مذہب تو پھر صوبی صدی کے مسلمان کی مسلمان کا بھلا معلوم ہے۔

جی جانتا ہے کہ سیادہ الرسول علیہ السلام کو شکم کرتے کرتے فقیدہ سے جسے عرب مسلمانوں
 کو سر نہ پہیرت دے کہ یہ بتا بھی دیا جاتے کہ اس حالت میں حکیم و عثمان اسلار اسلام کو روحانی و فکری
 شکست دینے کے لئے بیٹھے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و احترام میں رخنہ اندازی
 پر کمر بستہ ہو چکے ہیں یہ سب لال کا کیا فرما ہے۔

و شان اگر ہر قسم کے آلات حرب سے مستح ہیں اور جنگ و جدال کے لئے اسلام میں کے دروازے
 پر دستک دے رہے ہیں۔ تو کیا اسلام کی سیاسی اور دینی زندگی کا تحفظ اس میں ہے نہ یہ غیر مسلم
 دنیا میں اسلام کی عزت و قبولیت و عظمت و شان اور تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا انتظام و تمام کر رہا
 اور کائنات عالم کی قوموں اور زمانوں میں سیرت نبوی علیہ السلام کی اشاعت کو عمل میں لائیں۔
 اور ہر فرد و فرد اسباب فنا ہری کے ساتھ ساتھ دلپے دل کی گرمیوں۔ خون کی حرارتوں اور عشق و
 جوش کی بیقراریوں کو اس دولت حیات کے لئے وقف کر دے۔ کیونکہ اس کی ترقی اور تنظیم کا حشر پیغمبر
 روحانی و مادی فلاح کا ذریعہ۔ دینی و دنیوی سعادتوں کا منبع۔ عروج و ارتقاء کا ذریعہ۔ نہ ہی دنیوی
 اور معاشرتی اصلاح کا دستبردار حاصل۔ ہر پریشانی کی دوا۔ اور تمام کمزوریوں اور درماتھیوں کا واحد علاج
 ہے کہ یہ صحیح الایمان ہو کر سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ اقبال تک پہنچ جائے
 اور اپنی جہین نیا کو اسی جگہ تک کے لئے وقف کر دے۔ (وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے) جہنم کے لئے
 و آہستہ آہستہ و مسکن



مجلس اسرار الوجودی
از استاد مولانا محمد رفیع

تعارف نہ ہر روز

مختصر

شخص شریف سے یہ توقع ہوتی ہے کہ
مرد و عورت دونوں اس کی صحبت

مرد و عورت دونوں اس کی صحبت
مرد و عورت دونوں اس کی صحبت

بہار

مجلس اسرار الوجودی